جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد ۲۴ نمبر

ربیع ثانی / جمادی اول ۱۴۴۰ھ / جنوری ۲۰۱۹ء

شمارہ نمبر ۱۰

سرپرست

حضرت الحاج مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ

مدیر مسئول

حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب مدظلہ ناظم جامعہ ہذا

نگران

حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب مدظلہ امین عام جامعہ ہذا

مدیر تحریر

مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

مجلس ادارت

- مولانا محمد ساجد حسن صاحب مظاہری
- مولانا محمد خالد سعید صاحب اعظمی
- مولانا مفتی شعیب احمد صاحب بستوی
- مولانا مفتی بشیر احمد صاحب سہارنپوری

زرتعاون

فی شمارہ ——— ۱۵/روپیے

سالانہ زرتعاون ——— ۱۵۰ روپیے

بیرون ملک سالانہ ——— ۲۵ ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM URDU MONTHLY MAGAZINE
SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA
Ph: 0132-2655542
Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

○ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ ۱۰/تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

اخلاق وکردار کی بلندی

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

انسانی آبادی ہمیشہ سے امن وسلامتی کی خواہاں رہی ہے چاہے وہ تاریخ کا تاریک ترین دور ہو حال کا نام نہاد روشن زمانہ، ہر جگہ امن وخوشحالی ہی کی تمنا کی جاتی ہے، زندگی اپنے صحیح اصولوں پر قائم رہے، منہج زندگی استوار اور برقرار رہے، ایک دوسرے کے دردوغم کا احساس کیا جائے، اس کے دفاع کی کوشش کی جائے، اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے حقوق کو سمجھے، معاشرے میں راحت وسکون ہو، انسانی اقدار بحال ہوں، زندگی کے تمام شعبوں میں اس کی قدر ہو، یہ سب اخلاق کو اور حسنِ معاشرت کو اپنا کر ہی پیدا کیا جاسکتا ہے۔

حکمتِ الٰہی کا تقاضا ہے کہ انسان اجتماعی اور معاشرتی زندگی گذارے، بنی نوع انسان سے استفادہ بھی کرے اور فائدہ بھی پہونچائے، معاشرتی تعلقات اور روابط کو مستحکم کرے، جس کے نتیجے میں حقوق وفرائض کا وجود میں آنا ناگزیر ہے اور معاشرے کا ہر فرد جب تک اپنے فرائض پوری ذمہ داری کے ساتھ ادانہیں کرے گا اس وقت تک صحت مند معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا، اسی لئے حقوق وفرائض میں اعتدال اور توازن برقرار رکھنا ایک اہم اور بنیادی ضرورت ہے اس کے لئے اخلاقی قوتوں کو بیدار کیا جائے، اسلام نے حقوق و فرائض میں توازن اور اعتدال برقرار رکھنے کے لئے اور معاشرہ کو ہر قسم کی بے راہ روی سے بچانے کے لئے اخلاقی تربیت پر اسی لئے بہت زیادہ توجہ دی ہے اور اسی اہم کام کے لئے انبیاء ورسل کو مبعوث کیا گیا، جن کے ذریعہ ایمان و اسلام اور توحید کی لازوال دولت انسانیت کو بخشی گئی۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ تکمیل ایمان بغیر اخلاق کے نہیں ہوگی، قرآن کریم میں سورہ مومنون میں عبادات کے ساتھ ساتھ اخلاق کو بھی اہل ایمان کی ان ضروری صفات میں شمار کرایا گیا ہے جن پر ان کی کامیابی کا مدار ہے۔

اس لئے کہ یہ نظام قدرت ہے کہ اللہ رب العزت ہمیشہ انسانوں کے اعمال و کردار کی بنیاد پر ان کی ترقی وتنزلی کا فیصلہ فرماتے ہیں، **اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ**، انسانوں کے حسنِ کرداری کی وجہ سے معاشرتی اصلاح اور امن وامان کا ماحول بنتا ہے، معاشرے سے برائیاں ختم ہوتی ہیں، نیکیوں کا چلن ہوتا ہے، آرام وسکون اور قلبی اطمینان حاصل ہوتا ہے، جب انسان اچھے اعمال و کردار کا حامل بن کر اسی کا خوگر بن جاتا ہے اور اسی کے مطابق اپنی زندگی گزارتا ہے تو اصلاح معاشرہ کا وجودِ محمود ہوتا ہے، نئی نسل میں اخلاق وکردار کی بلندی، دینی اقدار کی پاسداری کا شعور پیدا ہوتا ہے۔

آج یہ عام شکایت ہے کہ معاشرہ میں دینی واخلاقی اعتبار سے بڑا بگاڑ آ گیا ہے، اسلام کی روح ختم ہوتی جارہی ہے، بچے والدین کے نافرمان ہوتے جارہے ہیں، بڑوں اور بزرگوں کا پاس وادب نہیں رہا، ماحول میں امن وامان کا فقدان ہے، آئے دن ایک سے بڑھ کر ایک برائیاں جنم لے رہی ہیں، وجہ یہ ہے کہ آج ہم نے اپنے اعمال وکردار کو منشائے خداوندی کے خلاف کرلیا ہے، خدائی اصولوں کے بجائے دشمنان اسلام کے متعین کردہ ترقی وتنزلی کے معیار کو درست اور صحیح سمجھ لیا ہے اور اسی کو اپنانے کی فکر اور لگن میں رات دن منہمک اور مشغول ومصروف ہو گئے ہیں۔

بداخلاقی ہمارے معاشرے میں بری طرح سرایت کرچکی ہے، ہمارا معاشرہ ناکامیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتا چلا جارہا ہے، اس میں ذرا بھی بہتری نہیں ہورہی بلکہ صورتحال مزید ابتر ہوتی جارہی ہے، پڑھے لکھے سے لیکر گلی کے نکڑ پر کھڑے کسی ان پڑھ کی گفتگو سن لیں،

کوئی زیادہ فرق نہ ہوگا۔

اخلاق ہم سے رخصت ہو چکا ہے اگر ترقی کا راز جاننا چاہتے ہیں تو معلوم کیجئے کہ گزرے وقتوں میں جن قوموں نے ترقی کی، اس میں کیابات پوشیدہ ہے؟ان میں ایسی کون سی صلاحتیں تھیں کہ جن کی بدولت انہوں نے طویل عرصے تک اپنی طاقت کوآدھی دنیا پر قائم رکھا،اس کی وجوہ جاننے کی کوشش کی جائے۔

جن قوموں نے صدیوں تک دنیا پر حکومت کی انھوں نے سب سے پہلے دینی اور فکری بنیادوں پر اتحاد قائم کیا،تفرقہ بازی کوجڑوں سے اکھاڑ پھینکا،نظم وضبط کو قائم کیا، بھائی چارگی کا پیغام عام کیا،زیادتی ، ناانصافی اوردھوکہ دہی سے نفرت کی اوران سے دور رہے،منافقت ،جھوٹ ،وعدہ خلافی ،خیانت ،بددیانتی ،بےادبی ،بدکاری جیسی برائیوں کواپنے قریب بھی آنے نہیں دیا۔

اس کے برعکس موجودہ معاشرے کے حالات بالکل مختلف ہیں ،ہرشخص دوسرے کی تذلیل کرنے میں کوئی کسرنہیں چھوڑتا،تنقید برائے اصلاح ختم ،جبکہ تنقید برائے تنقید کا رواج عام ہے،اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم میں بےحسی کا تناسب سوفیصد ہو چکا ہے،حسد کا بازار گرم ہے۔

یہ تمام مسائل ہماری ہی غفلت کا شاخسانہ ہیں ،ہماری بےحسی کی سزا ہیں،معاشرہ بےراہ روی اور بےحسی کا شکار ہو چکا ہے،اخلاقیات اوراخلاص ہمارے اعمال و کردار سے مکمل طور پر غائب ہو چکے ہیں،اخلاقی انحطاط روز بروز ہم پر غالب آتا جارہاہے،نہ جانے کیوں ہم میں وہ شعور وآگہی نہ آسکی کہ جس کی بناء پرہم پوری کائنات میں مشہور ومعروف تھے، بہت سے غیرمسلم مفکروں اور دانشوروں نے بھی اسلام کی تعلیمات کو دنیا کی بہترین تعلیمات قرار دیا ہے،انہیں قابل ستائش ،کامیابی اورترقی کا زینہ کہا ہے،اس بات کی بھی تائید کی گئی کہ اسلامی تعلیمات اور باعمل مسلم معاشرہ اخلاقیات اورانسان اقدار کی بہترین

شکل ہے اور اس کے پیروکار کا اخلاقی معیار نہایت ہی بلند ہوتا ہے۔

ملک وقوم کی ترقی و بقاء کے لئے کام کرنے کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے، عروج حاصل کرنے کے لئے اپنی صفوں کو سدھارنا ضروری ہے اور صفیں ہمیشہ اسی وقت سدھرتی ہیں جب انسان خود اپنے کندھوں کو دوسرے کے کندھوں سے ملاتا اور جوڑتا ہے۔

اخلاق و کردار کی بلندیوں پر جب تک ہم خود کو متمکن نہیں کریں گے، معاشرتی استحکام اور امن وامن کی فضا بحال ہو ہی نہیں سکتی، اور دشمنان اسلام جو روزانہ ہمارے لئے اور اسلام کے لئے مصیبتیں کھڑی کرتے رہتے ہیں وہ اس سے باز نہیں آئیں گے۔

جب ہم اخلاقی اعتبار سے بن سنور کر معاشرہ میں امن وامان کا پیغام عام کریں گے تو خارجی یورشیں خود بخود کافور ہوتی چلی جائیں گی اور ہمارا برا چاہنے والے اپنا سا منہ لے کر رہ جائیں گے، اس لئے کہ حسنِ اخلاق سے بڑے سے بڑا مسئلہ بھی بڑی آسانی سے حل ہوجاتا ہے۔

بدقسمتی سے آج کے ہمارے معاشرہ میں اخلاقیات، تہذیب وتمدن مفقود ہوتے جارہے ہیں جس کی وجہ سے ہم قوموں میں رسوا اور زوال پذیر ہورہے ہیں، وہ دین جس کی حقیقی پہچان اخلاقیات کا عظیم باب تھا اور جس کی تکمیل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کیے گئے تھے آج اسی دین کے ماننے والے اخلاقیات اور معاملات میں اس پستی تک گر چکے ہیں کہ عدالتوں میں مقدمات کی بھرمار ہے، جیل خانوں میں جگہ تنگ پڑ رہی ہے۔

خوب یاد رہے کہ جس معاشرے میں اخلاق و کردار کا جنازہ نکل جائے وہاں کبھی امن و سکون نہیں ہوسکتا، اس معاشرہ کا صفحہ ہستی سے مٹ جانا یقینی ہوتا ہے خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد سلمان (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے
سہارنپور الیکٹرک پریس سہارنپور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

درسِ قرآن

قسم کا کفارہ

مولانا محمد ساجد حسن صاحب استاذ حدیث وتفسیر مظاہر علوم سہارنپور

وَلَا تَجۡعَلُوۡا اللّٰہَ عُرۡضَةً لِاَیۡمَانِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡا وَتَتَّقُوۡا وَتُصۡلِحُوۡا بَیۡنَ النَّاسِ وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ، لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغۡوِ فِیۡۤ اَیۡمَانِکُمۡ وَلٰکِنۡ یُّؤَاخِذُکُمۡ بِمَا کَسَبَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۴/۲۲۵)

اور مت بناؤ اللہ کے نام کو آڑ، اپنی قسمیں کھانے کو کہ نہ سلوک کروگے، نہ پرہیز گاری اور نہ لوگوں کے درمیان صلح، اور اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

اللہ پکڑ نہیں کرتا تمہاری بیہودہ قسموں پر، لیکن پکڑ کرتا ہے ان قسموں پر کہ جن کا قصد کیا تمہارے دلوں نے، اور اللہ بخشنے والا تحمل کرنے والا ہے۔

شانِ نزول: حضرت بشیر بن نعمان اور ان کے رشتہ دار حضرت عبداللہ بن رواحہؓ میں کسی بات میں تکرار ہوگئی، عبداللہ بن رواحہؓ نے قسم کھالی کہ میں نہ تمہاری بھلائی برائی میں کوئی دخل دوں گا۔

نہ تم سے ملاقات کروں گا اور نہ ہی تم سے کوئی کلام کروں گا۔ (**ان لایدخل علیه ولایکلمه ولایصلح بینه وبین خصمه**) اور جب اس بارے میں عبداللہ بن رواحہ سے کوئی بات کرتا اور بشیر کی خیر خواہی کی طرف توجہ دلاتا تو جواب دیتے کہ میں نے اللہ کی قسم کھائی ہے، میں اس سلسلہ میں مجبور ہوں، اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔

تشریح وتوضیح: آیت شریفہ میں بتایا گیا ہے کہ کسی آدمی نے اگر اپنی جہالت ونادانی کی بنا پر کوئی نیک کام نہ کرنے کی قسم کھالی مثلاً کہہ دیا کہ فلاں رشتہ دار کے ساتھ کوئی حسن سلوک اور اچھا برتاؤ نہیں کروں گا۔ یا کہہ دیا کہ والدین سے کلام اور صدقہ

وخیرات نہیں کروں گا توبایں صورت حکم شرع یہ ہے کہ قسم توڑ کر کفارہ ادا کرے اور کارخیر میں مشغول ہوجائے۔

قسم کی صورتیں: حضرات علماء کرام کے بیان کے مطابق قسم تین طرح کی ہوتی ہیں۔

(۱) بے ساختہ وبلاقصد وارادہ زبان سے کوئی قسم زمانۂ گذشتہ سے متعلق نکل گئی، کہنا چاہتا کچھ تھا اور زبان پر قسم کے الفاظ آگئے، یا کسی واقعہ کو سچ سمجھ کر قسم کھائی تھی مگر حقیقۃً وہ واقعہ جھوٹا ہوتو بایں صورت قسم کھانے والے پر نہ کوئی گناہ ہے اور نہ کوئی کفارہ اس کو اصطلاح شرع میں (عندالاحناف) یمین لغو کہتے ہیں۔

(۲) صورت یہ ہے کہ دیدہ دانستہ کسی بات پر جھوٹی قسم کھائی مثلاً کسی کام کو کیا نہیں تھا اور قسم کھا کر کہہ دیا کہ کر دیا تو سخت گنہ گار ہوگا، بخاری شریف کی حدیث ہے حضرت رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ شرک، والدین کی نافرمانی، ناحق قتل اور جھوٹی قسم، گناہ کبیرہ ہے۔ (**الکبائر الاشراک باللہ وعقوق الوالدین وقتل النفس والیمین الغموس**)

بایں صورت فوری طور سے اللہ سے معافی چاہیے اور توبہ واستغفار کرے، کیونکہ یہ دنیا وآخرت میں سخت عذاب ووبال کا سبب ہے۔ (**اعاذنا اللہ منہ**) اصلاح شرح میں اس قسم کا نام غموس ہے!

(۳) صورت یہ ہے کہ آئندہ زمانہ میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھالے خواہ اس کام کا کرنا یا نہ کرنا شریعت میں جائز ہو یا ناجائز اگر قسم کو توڑ دیا خواہ کسی بھی وجہ سے ہو، تو بایں صورت قسم توڑنے کی وجہ سے کفارہ دینا ہوگا۔ البتہ اگر کسی نیک کام نہ کرنے کی قسم کھائی تھی مثلاً یہ کہ میں فلاں رشتہ دار سے زندگی بھر بات نہیں کروں گا ایسی قسم کھانا منع ہے، اگر کھالی تو قسم توڑ دے، قسم توڑنے پر کفارہ تو واجب ہے مگر اس جیسی قسم کا توڑنا گناہ نہیں بلکہ زیادتی اجر کا باعث ہوگا۔ (**من حلف بیمین فریٔ غیرھا خیر منھا فلیکفر عن یمینہ ولیفعل الذی ھو خیر منہ، رواہ مسلم**)

قسم کا کفارہ: (۱) دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا صبح وشام کا کھانا یا دس مسکینوں کو پونے دو دو کلو گندم یا اس کی قیمت کا کوئی اور غلہ واناج، (۲) دس مسکینوں کو ستر چھپانے کے بقدر کپڑا، مثلاً ایک پاجامہ، تہ بند، یا لمبا کرتا، (۳) ایک غلام کو آزاد کرنا، اگر ان مذکورہ اشیاء کی طاقت ووسعت اور یافت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھے۔ (**فکفارته اطعام عشرة مساكين الخ**)

پیغام: آدمی کے لیے لازم ہے کہ بلا ضرورت شدیدہ قسم کھانے سے احتراز واجتناب کرے کیونکہ بکثرت قسمیں کھانے والے کا شمار نہ تو نیک لوگوں میں ہوتا ہے اور نہ ہی ایسا آدمی لوگوں کے نزدیک قابل اعتماد ہوتا ہے بلکہ لوگ اس کی قسم کا بھی اعتبار نہیں کرتے، اگر قسم کھانے کی ضرورت پڑ جائے تو صرف اللہ کے نام کی قسم کھائے اور قسم ایسی بات پر کھائے جس سے نہ اللہ کے حقوق ضائع ہوں اور نہ بندوں کے، اگر قسم سے کسی کے حقوق ضائع ہوتے ہوں تو اس قسم کو توڑے اور کفارہ ادا کرے، عام لوگوں کا یہ سمجھنا کہ قسم اچھی ہو یا بری اس پر قائم رہنا چاہئے، یہ خیال غلط ہے۔ (معارف القرآن ص ۲۳۸/۱ مظہری ص ۲۸۶/۱)

جہنم کی آڑ

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجہ عروہ کو بتایا کہ میرے پاس ایک عورت آئی اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں، اس نے مجھ سے کچھ مانگا مگر میرے پاس سوائے ایک کھجور کے اسے دینے کے لئے کچھ نہ تھا، میں نے اس کو وہی کھجور دے دی اس نے کھجور دو ٹکڑے کر کے دونوں بیٹیوں کو دے دی، اور خود نہیں کھایا پھر اٹھی اور چل دی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس پر ان لڑکیوں کی کچھ بھی ذمہ داری آجائے اور وہ ان کے ساتھ اچھا برتاو کرے تو یہ لڑکیاں اس کے لیے جہنم کی آڑ بن جائیں گی۔ (بخاری شریف)

انوارِ حدیث

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے.........

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری استاذ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

غنیمت کی سواری اور لباس کے استعمال کا حکم

عن رويفع بن ثابت الأنصاري أن النبي صلى الله عليه وسلم قال:من كان يؤمن بالله وباليوم الآخر فلايركب دابة من فيء المسلمين حتى إذا أعجفها ردها فيه، ومن كان يؤمن بالله وباليوم الآخر فلايلبس ثوباً من فيء المسلمين حتى إذا أخلقه ردّه فيه۔(أبو داود، كتاب الجهاد، باب في الرجل ينتفع من الغنيمة بشيء ۲/۳۷۰)

حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو وہ مسلمانوں کے مال غنیمت کی کسی سواری پر سوار نہ ہو یہاں تک کہ جب (سواری کرتے کرتے) اس کو دبلا کردے تو مال غنیمت میں لوٹادے، اور جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ مسلمانوں کی غنیمت میں سے کوئی کپڑا نہ پہنے یہاں تک کہ جب اس کو (پہن پہن کر) بوسیدہ کردے تو غنیمت میں لوٹادے۔(ابوداود)

اس حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان مجاہدین کو مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے بلاضرورت غنیمت کی سواری یا لباس استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے، البتہ اگر جنگی ضرورت کی بنا پر سواری یا لباس استعمال کیا جائے تو بقدر ضرورت استعمال جائز ہے، اسی طرح مجاہدین کے لئے مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کھانے پینے کی چیزوں کا استعمال دارالحرب میں ضرورتاً جائز ہے جیسا کہ متعدد روایات سے ثابت ہے، بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ :عن ابن

عمر قال کنا نصیب في مغازینا العسل و العنب فنا کله و لا نر فعه۔(البخاری ۱/۴۴۶)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم اپنے غزوات میں شہد اور انگور پاتے تھے تو اس کو کھالیا کرتے تھے اور اس کو اٹھا کر ذخیرے کے طور پر نہیں رکھتے تھے یا یہ مطلب ہے کہ غنیمت کے ذمہ دار یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں لے جاتے تھے کہ اس کی اجازت لیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کی پہلے ہی سے اجازت تھی۔(فتح الباری ۶/۳۱۵، مرقاۃ ۷/۵۱۹)

نیز مجاہد کے لیے غنیمت کی تقسیم سے قبل غنیمت کا ہتھیار استعمال کرنا بھی ضرورتاً جائز ہے؛ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے جنگ بدر میں ابوجہل کو زخمی حالت میں پایا تو اس کو اپنی تلوار سے مارا لیکن آپ کی تلوار زیادہ تیز نہیں تھی اس لیے کچھ نہ ہوا البتہ ابوجہل کی تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی تو حضرت ابن مسعودؓ نے اسی کی تلوار لے کر اسے مارا تو وہ ٹھنڈا ہو گیا، آخر روایت کے الفاظ یہ ہیں: **فضربته بسیف غیر طائل فلم یغن شیئاً حتی سقط سیفه من یده فضربته به حتی برد۔**(سنن ابوداود ۲/۳۷۰)

اس سلسلے میں علامہ کاسانی متوفی ۵۸۷ھ نے بدائع الصنائع میں تفصیلی کلام کیا ہے آپ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ غنائم سے انتفاع کے جواز اور عدم جواز کی گفتگو دو چیزوں سے متعلق ہے، ایک یہ کہ غنائم میں سے کن چیزوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، اور دوسرے یہ کہ کون لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

تقسیم غنیمت سے قبل کن چیزوں سے انتفاع جائز ہے

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ غنیمت کو دارالاسلام میں جمع کرنے سے پہلے اس میں سے کھانے پینے کی چیزوں، جانور کے چارے اور جلانے کی لکڑی سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اس سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت عام ہے اس لیے فقیر اور مالدار سب کے لیے جائز ہے، کیونکہ اگر مجاہدین کو اس بات کا مکلف کر دیا جائے کہ وہ آنے جانے اور دارالحرب میں قیام کی پوری مدت کے لئے دارالاسلام سے ہی یہ سب سامان اپنے

ساتھ لے کر جائیں تو یہ ان کے لیے بڑی مشقت کا باعث ہوگا بلکہ متعذر رہوگا، لہٰذا غانمین (غنیمت کے مستحقین) میں سے ہر ایک کے حق کا اعتبار اس کے دوسرے ساتھی کے حق میں ساقط ہو گیا اور شرعی طور پر اسے کالعدم تسلیم کرلیا گیا اور اسی ضرورت کی وجہ سے ان مواقع کو مباحات اصلیہ میں شامل مان لیا گیا۔

اسی طرح وہ تمام چیزیں جو کھانے کی ہیں جیسے گھی، روغن زیتون اور سرکہ، آدمی اس کو کھا بھی سکتا ہے اور اپنے آپ کو اور اپنے جانور کو تیل کے طور پر لگا بھی سکتا ہے، اس لیے کہ دارالاسلام میں احراز (جمع کرنے) سے قبل ان چیزوں سے انتفاع لازمی ضرورت ہے، البتہ وہ تیل جو کھانے میں استعمال نہیں ہوتے جیسے بنفشہ اور خیری کا تیل ان سے فائدہ اٹھانا مناسب نہیں، اس لیے کہ یہ لازمی ضرورت میں سے نہیں بلکہ زائد اور اضافی ضرورت ہے۔

اور کھانا چارہ وغیرہ جن چیزوں سے انتفاع جائز ہے ان میں سے کسی چیز کو سونے، چاندی اور سامان کے بدلے بیچنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ فائدہ اٹھانے کی اجازت اور حقوق کے اعتبار کو ساقط کر کے انھیں کالعدم شمار کرنا مذکورہ ضرورت کی وجہ سے ہے اور فروخت کرنے کے اندر ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور اس لیے بھی کہ بیع کا محل مال مملوک ہے اور یہ مال مملوک نہیں ہیں، کیونکہ ملکیت کے لیے اس کا دارالاسلام میں احراز (جمع کرنا) شرط ہے اور وہ شرط یہاں نہیں پائی جاتی، پھر بھی اگر کوئی شخص کوئی چیز بیچتا ہے تو اس کی قیمت غنیمت میں لوٹائے گا اس لیے کہ یہ قیمت ایسے مال کا عوض ہے جس کے ساتھ غانمین کا حق متعلق ہے لہٰذا اسے غنیمت ہی میں لوٹایا جائے گا، اور اگر مجاہدین نے یہ چیزیں دارالاسلام میں لاکر جمع کیں لیکن ان کے پاس (کھانے وغیرہ کی) کچھ چیزیں رہ گئی ہوں تو اگر مال غنیمت تقسیم نہ ہوا ہو تو اس میں لوٹا دی جائیں کیونکہ اب ضرورت باقی نہیں رہی، اور اگر غنیمت تقسیم ہو چکی ہو اور وہ مال دار ہوں تو اسے فقراء پر صدقہ کردیں، اور اگر غریب ہوں تو اس سے خود فائدہ اٹھائیں کیونکہ مجاہدین کی کثرت اور اس چیز کی قلت کی وجہ سے سب میں تقسیم کرنا دشوار ہے، تو یہ لقطہ کے مشابہ ہو گیا واللہ اعلم۔

یہ سب اس وقت ہے جب کہ تقسیم غنیمت کے بعد وہ چیز باقی ہو، لہٰذا اگر تقسیم کے بعد اس سے مالدار نے فائدہ اٹھالیا تو وہ اس کی قیمت فقراء پر صدقہ کرے، اس لیے کہ اس نے ایسا مال کھالیا ہے کہ اگر وہ باقی رہتا تو بھی اسے صدقہ کرنا پڑتا کیونکہ اس مال کا تعلق غانمین کے حق سے ہے اور غانمین کی کثرت اور مال کی قلت کی وجہ سے ان میں تقسیم کرنا دشوار تھا لہٰذا اب مال نہ ہونے کی صورت میں اس کی قیمت ہی اس کے قائم مقام ہوگی یعنی اس کو صدقہ کیا جائے گا، اور اگر فقیر نے اس مال سے انتفاع کرلیا تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں، اس لیے کہ اگر وہ مال باقی ہوتا تو بھی اس کے لیے اس کو کھانا درست ہوتا۔

کھانے پینے، چارہ اور جلانے کی لکڑی کے علاوہ چیزوں کی جہاں تک بات ہے تو ان سے مجاہدین کے لئے فائدہ اٹھانا اور استعمال کرنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ ان سے غانمین کا حق متعلق ہے اور ان سے فائدہ اٹھانے میں ان کے حق کو باطل کرنا ہے، البتہ اس سے یہ صورت مستثنی ہے کہ جب مجاہد کو ہتھیار، سواری یا لباس میں سے کسی چیز کی ضرورت پیش آجائے تو وہ اس کو استعمال کرسکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں، مثلاً اس کی تلوار ٹوٹ گئی تو غنیمت کے مال میں سے کوئی تلوار لے کر اس سے قتال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن جیسے ہی اس کی ضرورت پوری ہوجائے اسے مال غنیمت میں لوٹادے، اسی طرح جب گھوڑے کی سواری یا کپڑے کے پہننے کی ضرورت ہو تو اس سے ضرورت پوری کرکے اسے غنیمت میں واپس کردے، اور یہ بھی ضرورت ہی کا موقع ہے، لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ جو چیز ضرورتاً ثابت ہوتی ہے وہ محل ضرورت سے متجاوز نہیں ہوتی، لہٰذا اگر مجاہد نے اپنا ہتھیار، یا سواری، یا لباس محفوظ رکھنے اور بچانے کے لیے ایسا کیا تو یہ جائز نہیں اس لیے کہ یہاں ضرورت کا تحقق نہیں پایا جاتا۔

اسی طرح مجاہدین جب گائے یا بکری ذبح کرکے اس کا گوشت کھائیں تو کھال غنیمت میں لوٹادیں کیونکہ اس سے فائدہ اٹھانا لازمی ضرورتوں میں سے نہیں ہے۔

تقسیم غنیمت سے پہلے اس سے کن لوگوں کے لئے انتفاع جائز ہے؟

اور دوسری بات غنائم سے کون لوگ فائدہ اٹھاسکتے ہیں تو عرض ہے کہ ان سے صرف

غانمین ہی فائدہ اٹھاسکتے ہیں، لہٰذا تاجروں کے لیے مال غنیمت میں سے بغیر قیمت ادا کیے کچھ بھی کھانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ غانمین میں سے ہر ایک کے حق کے اعتبار کا سقوط اس کے ساتھی کے لیے ضرورت کی وجہ سے ہوا ہے، اور بلا ضرورت حق کے اعتبار کو ساقط کرنا جائز نہیں، اور غانمین کے علاوہ دوسروں کے لئے یہ ضرورت متحقق نہیں ہے، البتہ غانمین کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ خود کھائیں، اور اپنے غلاموں، عورتوں اور بچوں کو کھلائیں، ان پر خرچ کرنا اپنی ذات پر ہی خرچ کرنا ہے کیونکہ ان سب کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے، اور اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ جن لوگوں کا نفقہ اس کے ذمہ ہے ان کو کھلانے کا اسے حق حاصل ہے اور جن کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہے ان کو کھلانا بھی درست نہیں ہے، اور خدمت کے لئے کوئی شخص اجیر (ملازم) رکھے تو اس ملازم کے لئے بھی مال غنیمت میں سے کچھ کھانا جائز نہیں۔ اس لیے کہ ملازم اپنے نفقہ کا خود ذمہ دار ہے، ملازم رکھنے والا اس کا ذمہ دار نہیں ہے، (اس کے ذمہ صرف اجرت دے دینا ہے)۔

اور عورت جب (مجاہدین کے ساتھ) دار الحرب میں بیماروں اور زخمیوں کے علاج ومعالجہ کے لیے چلی جائے تو اس کو بھی مال غنیمت میں سے کھانے اور اپنے غلام کو کھلانے اور اپنی سواری کو چارہ دینے کا حق ہے، اس لئے کہ عورت مال غنیمت میں سے رضخ (عطیہ) کی مستحق ہوتی ہے لہٰذا وہ بھی من جملہ غانمین کے ہوگئی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (بدائع الصنائع ۶/۱۰۰-۱۰۱)

ضروری اعلان

خریدار حضرات کے پتوں کی سلپ پر مدت خریداری کی اطلاع درج ہے اگر مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہو تو خریداری نمبر کے ساتھ/ 150 زرتعاون ارسال فرمائیں۔
دفتر سے کسی قسم کی خط وکتابت یا منی آرڈر ارسال کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں، بغیر اس کے کارروائی میں تاخیر ہوسکتی ہے۔ (ادارہ)

دینِ الٰہی کے پاسبان

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

اللہ جل شانہٗ نے نبی اکرم رسول معظم فخر بنی آدم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالم کے انس وجن کے لیے مبعوث فرمایا، آپ نے تعلیم وتزکیہ کا فریضہ پوری طرح انجام دیا، اللہ کی کتاب کے الفاظ کی تعلیم دی، اس کے معانی اور احکام بتائے اور عملی طور پر بھی خود کر کے دکھایا اور بہت سے وہ احکام بتائے جو وحی جلی یعنی قرآن میں منصوص نہ تھے، آپ کی دعوت اور تعلیم وتبلیغ کا کام انجام دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے صحابہ کو منتخب فرمایا، ان حضرات نے بہت ہی تکلیفیں اٹھائیں اور اسلام کے عقائد اور اصول وفروع کے پھیلانے اور پہنچانے میں جانوں کی بازی لگادی، جو دین ان کو ملا تھا اس کو محفوظ رکھا اور آگے بڑھایا اور عالم میں پھیلایا، ساری اُمت پر ان حضرات کا احسان ہے کہ اُمت تک پورا دین پہنچا دیا، یہ حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح نائب بنے، علم بھی سکھایا اور عمل کر کے بھی دکھایا، اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے اخلاص کی قدر فرمائی ان کی محنتوں کو قبول فرمایا، قرآن مجید میں ان کی تعریف فرمائی اور ان سے راضی ہوجانے کی خوشخبری دی اور ان کے بلند درجات سے آگاہ فرمایا۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا ہمیشہ سے یہ عقیدہ ہے کہ بنی آدم میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد فضیلت میں صحابۂ کرامؓ ہی کا درجہ ہے، حضرات صحابۂ کرامؓ اگرچہ معصوم نہیں ہیں؛ لیکن ان کے گناہ مغفور ہیں، ان سے گناہ سرزد ہونے میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں اور ان خطاؤں کا صادر ہونا ان کے بلند مرتبہ کے منافی نہیں ہے اور حضرات صحابہؓ کا ذکر صرف خیر ہی کے ساتھ کرنا درست ہے، ان میں سے کسی کو بُرا کہنا کسی طرح جائز نہیں ہے، شرح عقائد نسفی میں لکھا ہے جو عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کی ترجمان ہے کہ ''ویکف عن ذکر الصحابة الا بخیر لما ورد من

الأحاديث الصحيحة في مناقبهم ووجوبِ الكفّ عن الطعن فِيْهِمْ"۔

اورحضراتِ صحابہؓ کا ذکرصرف خیر کے ساتھ کرے کیونکہ ان کے مناقب میں اوران پرطعن نہ کرنے کے واجب ہونے کے بارے میں صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں۔

آج کل جوش تحقیق میں مجتہد اور مجدد ہونے کے دعویدار جوتھوڑی بہت شگفتہ اردولکھ لیتے ہیں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنے کو اپنی امارت اور تجدید کا قابل فخر کارنامہ سمجھتے ہیں۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے اکابر نے تو یہ ارشاد فرمایا کہ حضرات صحابہ کا ذکر صرف خیر ہی کے ساتھ کیا جائے اوران سے جو کوئی عملی خطا سرزد ہوگئی ہے اس کے بارے میں نہ صرف یہ کہ سکوت کیا جائے؛ بلکہ اس کا اچھا محمل تلاش کرلیں اور اچھی طرح تاویل کرلیں۔ ان سے نہ خود بدگمان ہوں نہ دوسروں کو بدگمان ہونے دیں؛لیکن ذوقِ تنقید کے خوگر حضرات صحابہؓ کو مطعون کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے۔ **هداهم الله تعالیٰ**۔

دورِ حاضر کے بہت سے محقق تو اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک سے خارج ہونے کو کوئی بُری بات ہی نہیں سمجھتے اور بعض لوگ اہل السنۃ والجماعۃ سے اپنی نسبت کاٹنے کو پسند نہیں کرتے؛لیکن پھر بھی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف کتابیں لکھتے ہیں۔ ان دونوں قسم کے محققین میں کوئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کیچڑ اچھال رہا ہے اور کوئی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہدف ملامت بنارہا ہے اور بعض لوگ اہل تشیع کے جواب میں ایسا انداز اختیار کرتے ہیں جس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما مطعون ہوتے ہیں۔ یہ لوگ تاریخ کے حوالوں سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی کچھ لغزشیں اور کوتاہیاں جمع کرکے اور کچھ ان کے آپس کے اختلاف اور جنگ کے واقعات کو سامنے رکھ کر اپنے ذوق تنقید کی تسکین کرتے ہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلافات اور باہمی جنگوں کے واقعات کو مشاجرات صحابہؓ کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے،ان واقعات کے بارے میں حضرات سلف نے خاموشی اور کف لسان ہی کو واجب بتایا اوران کا یہ بتانا اور فرمانا کتاب وسنت کے عین مطابق ہے۔

غور کرنے سے مجھے مشاجرات صحابہ کے متعلق اللہ جل شانہٗ نے بعض ایسے محامل القا فرمادیے جن کی وجہ سے ان کے بارے میں کوئی اشکال نہیں رہا اور نہ صرف یہ کہ اشکال باقی نہ رہا؛ بلکہ دل میں یہ آیا کہ اُمت کی تعلیم کے لیے ان مشاجرات کا وجود میں آنا ضروری تھا۔

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تو اللہ جل شانہٗ نے بہت بڑی فضیلت بخشی ہے ان کو برائی سے یاد کرنا کیوں کر درست ہوسکتا ہے جب کہ عام مسلمانوں کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **لا تسبّوا الأموات فانّهم قد أفضوا إلى ما قدموا** یعنی مُردوں کو برائی سے یاد نہ کرو؛ کیونکہ وہ اپنے اپنے اعمال کے مطابق اپنی اپنی جگہ کو پہنچ چکے ہیں۔ (رواہ البخاری)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ مفتاح الجنّۃ فی الاحتجاج بالسنّۃ کے نام سے تحریر فرمایا ہے اس میں انھوں نے علامہ دینوری کی کتاب المجالسہ سے نقل کیا ہے کہ رافضیوں کے مذہب کی ابتدا اس طرح سے ہوئی کہ چند زندیقوں نے (اسلام کو لوگوں کی نظروں سے گرانے اور بدنام کرنے کے لیے) مشورہ کیا کہ اس بارے میں کیا کرنا چاہیے۔ ان میں سے بعض نے رائے دی کہ مسلمانوں کے نبی کو (صلی اللہ علیہ وسلم) بُرا بھلا کہیں جب ان کی عظمت اور عقیدت گھٹے گی تو اس کا دین آگے بڑھنے میں بھی رکاوٹ ہوگی۔ اس پر ان کے سردار نے کہا کہ ایسا کریں گے تو ہم سب قتل کردیے جائیں گے (کیونکہ مسلمان اس بات کو برداشت نہیں کرسکتے) پھر آپس میں مشورہ ہوا کہ ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں کو بُرا بھلا کہنا چاہیے اور ان سے علیحدگی اختیار کی جائے اور ان کو کافر کہا جائے۔ جب آپس میں یہ رائے پاس ہوگئی تو انھوں نے کہا کہ علی کے علاوہ سب صحابہ دوزخ میں ہیں۔ پھر کہنے لگے کہ علی ہی نبی تھے، جبرائیل سے وحی لانے میں خطا ہوگئی۔ (مفتاح الجنۃ، ص ۴۷)

یہ بات اس زمانہ کے زندیقوں نے پھیلائی اور اس کے قبول کرنے والے کچھ لوگ ہوگئے پھر سلسلہ آگے بڑھتے بڑھتے شیعیت اور رافضیت ایک مذہب بن گیا، ان کے نزدیک صحابہؓ سے بغض رکھنا اور ان کو گالیاں دینا اور ان سے بیزاری کا اعلان کرنا ہی سب سے بڑا دین

ہے۔زندیقوں نے جو یہ بات چلائی تھی درحقیقت اس میں بہت بڑا راز پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی کتاب اللہ کے نقل کرنے والے ہیں اور انھوں نے ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نقل کی ہیں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر ہی سارے دین کی بنیاد ہے ان دونوں چیزوں کے نقل کرنے والوں پر اگر بالفرض اعتماد نہ ہوا اور ان کو کافر مان لیا جائے (جیسا کہ روافض کہتے ہیں) تو ان کی نقل کی ہوئی کتاب اور سنت پر کیا بھروسہ ہوگا۔ جب کتاب وسنت ہی محفوظ نہ رہی تو دین کہاں رہا؟ دین حقیقی سے ہٹانے کے لیے اور اسلام کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے کے لیے درحقیقت یہ بڑا حربہ ہے جو دشمنوں نے اختیار کیا۔

آج کل کے جو مصنّفین اپنی تحقیق کے جواہر اس میں دکھاتے ہیں کہ حضرات صحابہ کو مطعون کریں اور ان کی لغزشوں کو جمع کریں۔ یہ لوگ اگرچہ یوں نہیں کہتے کہ ہم دشمنانِ اسلام ہیں؛لیکن دشمنوں کے ہاتھ میں تاریخ کی کتابوں سے مواد تلاش کر کے ہتھیار دے رہے ہیں اور دین کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں مددگار ثابت ہورہے ہیں۔ چونکہ ان لوگوں نے دین اور علم دین اسلامی ذہن رکھنے والے اساتذہ سے حاصل نہیں کیا صرف مطالعہ کا علم رکھتے ہیں اور قرآن وحدیث کی نصوص سے بے خبر ہیں یا قصداً قرآن وحدیث کی تصریحات کو دیکھنے سے گریز کرتے ہیں؛ تاکہ اس کے محقق اور ناقد ہونے پر اثر نہ پڑے؛اس لیے آزادی کے ساتھ جو چاہتے ہیں لکھ دیتے ہیں۔ جب ان کو احساس دلایا جاتا ہے کہ یہ طریقہ درست نہیں ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تاریخ کی کتابوں میں دیکھ لیا ہے؛ حالانکہ تاریخ کی کتابیں ہر قسم کے رطب ویابس سچی جھوٹی باتوں اور روافض وخوارج کی روایتوں سے بھرپور ہیں، ان پر اعتماد کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ پھر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا کہ اس دنیا سے رخصت ہوجانے والوں کو بُرا مت کہو تو اس ارشاد کی خلاف ورزی کرنا کونسی دینداری اور سمجھداری ہے۔ یہ لوگ تو کتابیں لکھ کر دنیا سے چلے جائیں گے تحقیق اور تصنیف کے نام سے ان کی شہرت بھی ہوجائے گی اور اس طرح سے پیسے بھی بہت کچھ کمالیں گے؛لیکن دشمنانِ دین ان ہی کی کتابوں کے حوالے دیتے رہیں گے اور بے پڑھے مسلمانوں کو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدظن کر کے ان کے دلوں میں اسلام

کے عقائد اور اعمال اور ارکان واحکام میں تذبذب اور شک پیدا کرتے رہیں گے۔ بے پڑھے لوگ صرف ہل بیل چلانے والے ان پڑھ ہی نہیں پڑھے لکھے لوگ بھی بے پڑھوں میں شامل ہیں جو قرآن وحدیث سے بے بہرہ ہیں؛ مگر ڈگریاں بڑی بڑی لیے پھرتے ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ اس طرح کا ذوق تنقید رکھنے والے اپنے کو خادمِ اسلام اور اقامت دین کا داعی بھی کہتے ہیں؛ لیکن اپنی تحریرات سے اسلام کو جو نقصان پہنچا رہے ہیں اس سے غافل یا متغافل ہیں۔ یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ ایک مسلمان مورخ ہونے کے وقت بھی مسلمان ہی ہے تاریخ لکھتے وقت اس کو قرآن وحدیث کی نصوص کو سامنے رکھنا لازم ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ جو بات کسی کی شخصیت کے متعلق ہو اس کے راویوں کو جرح وتعدیل کے اصول پر پرکھ لیں۔ مجروح رواۃ کی روایت تو رد کی ہی جاتی ہے ثقہ راویوں کی کوئی روایت اگر نصوص قرآن واحادیث مشہورہ اور اجماع امت کے خلاف پڑتی ہو تو اس کو بھی رد کیا جاتا ہے۔ یہ اصولی بات ہے جس سے یہ محققین آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں۔

ممکن ہے کہ ان لوگوں کے ہم نوا یہ بات اٹھائیں کہ پرانے مورخین جنھوں نے عربی میں کتابیں لکھیں، انھوں نے ایسی باتیں کیوں جمع کیں جن سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی شخصیت پر حرف آتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے تاریخ کی کتابیں لکھی ہیں، انھوں نے ان حضرات کی بہت زیادہ صحیح تعریف لکھ کر ایک آدھ بات ایسی بھی لکھ دی ہے جس سے کوئی نقص کا پہلو نکلتا ہے؛ لیکن ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی بتادیا ہے کہ تاریخی روایات معتبر نہیں یعنی جو چیز جرح وتعدیل کے بغیر لکھی گئی ہو وہ لائق اعتبار نہیں۔ پھر ان حضرات نے یہ کتابیں عربی میں لکھی تھیں دور حاضر کے محقق اوّل تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی لغزشیں ہی تلاش کرتے ہیں اور انھیں کو چھانٹ کر ایک جگہ جمع کرتے ہیں اور لکھنے کے بعد یہ نہیں لکھتے کہ یہ چیزیں بے سند ہیں یا غیر معتبر راویوں سے مروی ہیں؛ بلکہ (حد تو یہ ہے کہ) ان کو باور کرانے کے لیے پورا زورِ قلم خرچ کرتے ہیں جس سے امت میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بے اعتقادی؛ بلکہ بداعتقادی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

نوجوانوں کے مسائل اور اُن کا حل

شیخ صالح العثیمین ------مترجم: عبدالحنان کیلانی

موجودہ دور مغربی فکر و فلسفہ اور مادی نظاموں کے غلبے کا دور ہے، مغرب کی موجودہ فکر نے اِنسانیت پر صرف اپنے گہرے اَثرات ہی نہیں مرتب کیے بلکہ حیاتِ انسانی کو اپنے مطلوبہ سانچوں کے مطابق ڈھالا بھی ہے جس کی وجہ سے اَقدار وروایات کا مضبوط نظام تہہ و بالا ہو کر رہ گیا ہے، اِنسانیت بڑی سخت معنوی تبدیلیوں سے گزر رہی ہے، ان کٹھن اور تلخ حالات نے سب سے زیادہ مسائل ہمارے مسلم نوجوانوں کے لئے پیدا کئے ہیں جو ایک ایسے دین کے پیروکار ہیں جو اپنے دائمی اور عالمگیر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، جو اپنی تعبیر میں لامحدود وسعتوں کا قائل ہے، ایسے دین کی اِتباع میں اس سے غیر متعلقہ پیوندکاری کی کیسے گنجائش نکل سکتی ہے؟

ہماری نظر میں نوجوانوں کے ان مسائل کا حل دو چیزوں میں پنہاں ہے:

۱—دین سے گہرا رابطہ ورشتہ ۲—اخلاق

یہی دونوں چیزیں معاشرے کے ستون ہیں، انہی سے دنیا اور آخرت کی اِصلاح اور خیرات و برکات کا حصول ممکن ہے اور شرور وآفات ختم ہوسکتی ہیں۔

یہ بات تو بلا شبہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح مکان صرف اپنے مکینوں سے ہی آباد ہوتا ہے ایسے ہی دین، دینداروں سے ہی قائم ہوتا ہے، جب وہ دین کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لیں گے تو پھر ان کا دشمن چاہے کوئی بھی ہو تو اللہ ان کی مدد کریں گے۔

اگر بغور جائزہ لیا جائے تو نوجوانوں کی گمراہی و اِنحراف کے کئی اَسباب سامنے آتے ہیں کیونکہ نوجوانی کی عمر ہی ایک ایسی عمر ہے جس میں انسان پر جسمانی، فکری اور عقلی حیثیت سے بڑی تیزی سے تبدیلیاں رونما ہو رہی ہوتی ہیں، اِنسانی جسم نشوونما اور اِرتقا کی طرف گامزن ہوتا ہے، ہر لمحہ نئے تجربات اور تازہ احساسات عقل وفکر کے دریچے کھولتے جاتے ہیں، پھر اس کے ساتھ

ساتھ شعور و اِدراک کی نت نئی منازل بھی طے ہونا شروع ہوجاتی ہے جس کی بنا پر انسان سوچ وفکر کی نئی راہیں متعین کرنے کی کوشش کرتا ہے، دوسری طرف جذبات کی شدت فیصلوں میں عجلت پر مجبور کرتی ہے، ان اَحوال میں نوجوانوں کو ایسے مربیوں کی ضرورت ہوتی ہے جو اعلیٰ اور لطیف حکمت وبصیرت کے ساتھ اِعتدال کا دامن اُن کے ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیں، بڑے احتیاط اور صبر وتحمل کے ساتھ صراطِ مستقیم کی طرف لے چلیں، اب ہم ان پانچ اَہم ترین اَسباب کا ذکر کرتے ہیں جو آج کل کے نوجوانوں کے بگاڑ میں نمایاں کردار اَدا کرتے ہیں۔

فراغت: نوجوانوں کی تباہی وہلاکت کا اَہم ترین سبب فراغت ہے، جسم انسانی کو اللہ تعالیٰ نے اصلاً متحرک وفعال بنایا ہے، لہٰذا اس کی ساخت اور کیفیت تقاضا کرتی ہیں کہ یہ ہر دم حرکت میں رہے، حرکت کا تعطل اس کے لیے فکری، عقلی بلکہ ظاہری اِعتبار سے بھی زہر قاتل ہے، فکری پراگندگی و اِنتشار، ذہنی رذالت وسطحیت، مجاہدانہ اُولوالعزمی کی بجائے کم حوصلگی، خواہشاتِ نفسانی اور وساوس شیطانی فراغت کے ہی کرشمے ہیں، کیونکہ جسم نے تو اپنے تقاضے کے مطابق حرکت میں رہنا ہی ہے، اب وہ حرکت بالخصوص اس وقت جب اسے شدتِ جذبات کی پشتیبانی بھی حاصل ہو تو بجائے مثبت اور تعمیری کاموں پر لگنے کے وہ منفی اور تخریبی اُمور سرانجام دیتی ہے، جس سے معاشرتی بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور مسلّمہ اَقدار کی بے حرمتی ہونا شروع ہوجاتی ہے۔

اس کا حل یہ ہے کہ ایسے نوجوانوں کو ذہنی یا عملی طور پر ان کی صلاحیت کے مطابق مصروف رکھا جائے۔ تعلیمی، فنی، تجارتی، انتظامی یا دیگر سرگرمیوں میں سے کسی کی طرف لگا دیا جائے۔

بڑوں اور چھوٹوں کے درمیان دوری

نوجوانوں کی بے راہ روی میں اس فاصلے اور بُعد کا بھی بڑا حصہ کارفرما ہے جو ہمارے معاشرے میں بڑی عمر کے لوگ چھوٹی عمر والوں کے درمیان حائل رکھتے ہیں، چاہے وہ نوجوان اُن کے اپنے خاندان سے تعلق رکھتے ہوں یا دوسروں سے، وہ بلاتفریق اُن سے بُعد اور دوری ہی اختیار کرتے ہیں، آپ بوڑھوں کو دیکھیں جب وہ نوجوانوں کی بے راہ روی اور

اِنحراف کا مشاہدہ کرتے ہیں تو کہیں گے: بس جی آج کل کے لونڈے تو اللہ کی پناہ! گو یہ حیرت کدہ ہیں اور نوجوانوں کی اِصلاح سے مایوس و نا اُمیّد نظر آئیں گے۔

بڑوں کے ایسے رویے سے پھر نوجوان بھی ان سے دوری میں ہی عافیت محسوس کرتے ہیں، نوجوان بوڑھوں کو اور بوڑھے نوجوانوں کو بنظر حقارت دیکھنا شروع کردیتے ہیں، دونوں گروہوں کے انہی رویوں کی وجہ سے کئی طرح کے خطرات معاشرے کے دروازے پر دستک دینا شروع کردیتے ہیں۔

اِس مشکل کا حل یہ ہے کہ دونوں گروہوں کے رویوں میں حسبِ ضرورت تبدیلیاں پیدا ہوں، بجائے فراق و بعد کے قربت و اِتحاد ہو، پورا معاشرہ جسدِ واحد کی طرح اپنے اَندر یگانگت کو جنم دے اور یہ شعور معاشرے کے ہر فرد میں رچ بس جائے کہ تمام اَفرادِ معاشرہ ایک ہی جسدِ واحد کے مختلف اَعضا ہیں، ایک کی خرابی و فساد تمام کی بربادی کا سبب بنے گی، بوڑھوں کو چاہیے کہ وہ اپنے دلوں میں نوجوانوں کی اصلاح کا درد پیدا کریں، ان کے بارے میں حسرت و یاس ترک کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قدرتِ تامّہ رکھتا ہے، کتنے ہی وہ لوگ ہیں جو ضلالت و گمراہی کے قعرِ مذلت میں گرے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں منارۂ نور اور شمعِ ہدایت بنا دیا۔

دوسری طرف نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ بوڑھوں کے بارے میں اپنے رویّوں میں تبدیلی لائیں، ان کی آرا کا اِحترام کریں، اُن کی طرف سے پیش کردہ مسائل و معاملات کی توجیہات کو قبول کریں کیونکہ وہ بڑے تجربات کا ماحصل ہوتی ہیں، وہ زندگی کے ان تلخ حقائق سے گزرے ہوتے ہیں جن سے ابھی تک نوجوان دوچار نہیں ہوتے، اس طرح جب بوڑھوں کی فکر اور حکمت و دانائی نوجوانوں کی رہبر و رہنما بنے گی تو معاشرہ ترقی اور عروج میں آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگے گا۔

گمراہ لوگوں کی صحبت

نوجوانوں کی گمراہی کا تیسرا سبب اُن کی ایسے لوگوں کے ساتھ صحبت اور میل جول رکھنا ہے جو گمراہ ہیں، صحبت ان عوامل میں سے سب سے زیادہ مؤثر ترین عامل ہے جس سے نوجوان

متأثر ہوتے ہیں، یہ چیز ان کی عقل وفکر اور رویوں کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "المرء علی دین خلیله ینظر أحد کم من یخالل" یعنی آدمی اپنے ہم نشین سا طرزِ زندگی اپناتا ہے چنانچہ کسی کی ہم نشینی سے پہلے اس کے بارے میں غور کرلو کہ وہ کیسا ہے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ فرمایا: مثل الجلیس السوء کنافخ الکیر أما أن یحرق ثیابك و أما أن تجد منه رائحة کریحة برے مجلسی کی مثال لوہار کی بھٹی کی طرح ہے یا تو وہ تیرے کپڑے جلادی گی یا پھر تو اس کے دھوئیں کو چکھ لے گا۔

اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ نوجوانوں کو چاہیے ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کریں جو نیکی اور بھلائی کا سرچشمہ ہوں اور عقل ودانش کا پیکر ہوں تا کہ اُن سے کسبِ خیر، اِصلاح اَحوال اور عقل کو جلا بخشی جائے، اس لیے کسی صحبت سے پہلے اس کے معاملات اور رویوں کو خود بھی پرکھنا اور دوسرے لوگوں سے بھی سن لینا چاہئے، اگر وہ صاحب اخلاق، صاحبِ دین اور اعلیٰ کردار کا مالک ہو اور لوگ بھی اسے اچھا کہیں یعنی دید شنید دونوں ہی بہتر ہوں تو اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ، تعلقات اِستوار کرو، اس کے برعکس اگر وہ بداَخلاق اور بدکردار ہے تو اس سے دوری اختیار کرجاؤ، چاہے وہ اپنی صورت میں چاند سے زیادہ خوبصورت ہو، اپنی باتوں میں شہد سے زیادہ شیرینی رکھتا ہو، اپنی شخصیّت اور ظاہری وضع قطع کے لحاظ سے کمال کو پہنچا ہوا ہو پھر بھی اس سے اجتناب کرو، کیونکہ یہ تمام ظاہری خوبیاں شیطان، بندگانِ الٰہ کو گمراہ کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے، کیونکہ اس کی ظاہری چمک دمک نظروں کو خیرہ کردیتی ہے، سواس وجہ سے لوگ اس کی طرف کھینچے چلے آتے ہیں لیکن درحقیقت وہ بدقسمت شیطان کے لیے آلہ گمراہی اور فسق وفجور ہوتا ہے۔

منفی کتابوں کا مطالعہ اور انٹرنیٹ کا غلط استعمال

نوجوانوں کی گمراہی کا چوتھا سبب ایسے رسائل ومجلّات، اخبارات اور کتابیں وغیرہ پڑھنا ہے، جو ایک نوجوان کے دل میں اس کے عقائد ونظریات کے بارے میں تردّد و

شک کی راہ ہموار کرتے ہیں، اسے اَخلاقِ رذیلہ پر آمادہ کرتے اور کفر وفسق میں مبتلا کر دیتے ہیں، بالخصوص اس وقت جب کسی فرد کی تربیت پر ثقافت اِسلامیہ کے اَثرات اچھی طرح مرتب نہ ہوں، اور وہ اپنے دین کے فہم کے حوالے سے ایسی بصیرت سے محروم ہو جو حق و باطل کے درمیان اچھی طرح خطِ امتیاز کھینچ سکے اور اپنے لیے نافع وضرر رساں کا گہرے شعور کے ساتھ اِدراک کر سکے، اس طرح کی کتابوں کا مطالعہ نوجوان کو ایڑیوں سے پھیر دیتی ہے اور وہ اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے ان گمراہوں کو نہ چاہتے ہوئے قبول کر بیٹھتا ہے۔

اس مشکل کا حل یہ ہے کہ نوجوان ایسی تخریبی کتابوں کے مطالعہ سے گریز کرے اور ان کتابوں کے مطالعے میں غرق ہو جو اُس کے دل کو محبتِ الٰہی اور محبتِ رسول کا سرچشمہ بنا دے اور اس کے ایمان وعمل صالح کی جڑیں مضبوط کر دے، پھر صرف ایسی ہی کتابیں پڑھنے پر اکتفا کرے، دوسری قسم کی منفی رجحانات پیدا کرنے والی کتابوں سے گریز کرے تو پھر آہستہ آہستہ وہ محسوس کرے گا کہ پہلے منفی اثرات مرتب کرنے والی کتب پڑھنے کی وجہ سے اس کے دل ودماغ میں تشکیک وتردّد کے جو کانٹے چبھ گئے تھے، وہ نکل رہے ہیں، اسے اَندازہ ہوتا جائے گا کہ وہ شک و اِضطراب کی دنیا سے باہر آ رہا ہے، اس کا سرکش نفس اللہ، رسول کی اطاعت پر آمادہ ہو رہا ہے، اس کا دل لہو ولعب کی دنیا سے اُچاٹ ہو رہا ہے، اس سلسلے میں سب سے اہم ترین کتاب ''کتاب اللہ'' ہے اور جو ان کی تفسیر وبیان پر مشتمل ہیں، اسی طرح سنت رسول کا مطالعہ بھی اِنتہائی ضروری، نفع بخش اور مفید ہے، پھر وہ کتابیں جو ایسے استدلال واستنباط اور فقہی مسائل پر مشتمل ہوں جو علماے ربانیین نے تحریر فرمائی ہیں۔

اِسلام کے بارے میں بدگمانیاں

دورِ جدید میں مغربی فلسفہ وفکر کے تسلط کی وجہ سے نوجوان طبقہ فکری طور پر اِسلام کے بارے میں بہت سی بدگمانیوں کا شکار ہوا ہے، چنانچہ مغربی فلسفے کے تمام اِعتراضات کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو اسلام کے حوالے سے مجموعی طور پر یہ تاثر ابھرتا ہے کہ اسلام ایک

ایسا دین ہے جو انسان کی آزادی سلب کرکے اسے فکری وعملی لحاظ سے قید کرکے رکھ دیتا ہے، ترقی کے دروازے مسدود کردیتا ہے، صلاحیتوں پر بندشیں عائد کردیتا ہے اور انسان کو دقیانوس بنا دیتا ہے، یہی وہ اعتراض وخدشات ہیں جو دورِ جدید کے نوجوانوں کے قلب و ذہن پر طاری ومسلط ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اسلام سے بباطن یا بظاہر اظہارِ بیزاری اور برات کا اظہار کردیتا ہے۔ نعوذ باللہ

اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ ایسے نوجوانوں کے سامنے اسلام کے حقائق سے پردہ کشائی کی جائے، کیونکہ وہ اسلام کے بارے میں پہلے تو بطریق اَحسن آگاہی ہی نہیں رکھتے ہوتے اور اگر رکھتے بھی ہیں تو وہ بھی ناقص وکم علمی پر مبنی ہوتی ہے، ایسے نوجوانوں کو سمجھایا جائے کہ اسلام لوگوں کی آزادیاں سلب نہیں کرتا بلکہ ان کے اَندر نظم وضبط پیدا کرتا ہے اور اپنے اَحکام کی معتدل، بہترین توجیہات پیش کرتا ہے تاکہ ایک انسان کی آزادی دوسروں کی آزادی کو متاثر نہ کرے، کیونکہ جب ہم ایک انسان کی منشا کے مطابق اسے شتر بے مہار آزادی دیں گے تو وہ دوسروں کے لیے بہت زیادہ پریشانی پیدا کرے گی، ایسے معاشرے میں تصادم رونما ہوجائے گا اور لاقانونیت چھا جائے گی پھر فساد و بربریت آئے گی، چنانچہ معاشرتی نظم برقرار رکھنے کے لیے اِنسان نظم وضبط یا قوانین وضوابط کا پابند ہوتا ہے، اپنے آپ کو معاشرتی وحدت میں پرونے کے لیے متعلقہ معاشرے کے رسوم ورواج، عادات و اَطوار اور مجلس کے آداب کی پاسداری کرتا ہے، اپنے لباس کی تراش خراش، اپنے گھر کی شکل وہیئت، اسی طرح سڑکوں اور راستوں کے قوانین کی پابندی کرتا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو زندگی ساری کی ساری حدود وضوابط میں جکڑی ہوئی ہے، کیونکہ اگر ایسے نہیں ہوگا تو معاملات کیسے چلیں گے اور اُنہیں اپنے مطلوبہ اَنجام تک کیسے پہنچایا جائے، معاشرے کی اصلاح اور لاقانونیت ختم کرنے کے لیے ایک اجتماعی نظم کی پیروی کرنا ہی پڑتی ہے، کوئی شہری اس کی مخالفت نہیں کرتا۔

بیمار کی عیادت
ایک انسانی حق، ایک اخلاقی فریضہ

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی

خودغرضی، مفاد پرستی اور مادیت پسندی کے اس دور میں ہر طرف گہما گہمی اور نفسی نفسی کا عالم ہے، میدان محشر کی منظر کشی کے حوالے سے جو باتیں قرآن وحدیث میں بہ کثرت ملتی ہیں، اس کی مختلف جھلکیاں آج کے اس مغرب زدہ، انسانی اقدار سے عاری اور انسانیت سے خالی زمانے میں بھی جگہ جگہ دیکھی جاسکتی ہیں، کہنے کو تو یہ ایک ترقی یافتہ دور ہے؛ مگر دیکھا جائے تو یہاں کائنات کا ہر شخص، اپنی دنیا میں مست، اپنے نظام کار میں مگن، رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دوست واحباب سے لاتعلق، معاشرتی حقوق کی ادائیگی سے یکسر غافل اور اجتماعی ذمہ داریوں سے کوسوں دور ہے، یہ شکایت نہیں حقیقت ہے کہ جو انسان خودی سے خدا تک نہیں پہونچ سکا وہ خلق سے خالق تک کیسے پہونچ پائے گا؟؟

اسلام دینِ الفت و انسیت ہے؛ جس میں انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کے حوالے سے بھی زریں اصول اور بے نظیر احکام بیان کیے گئے ہیں، من جملہ ان میں عیادت اور بیمار پرسی بھی ہے۔

عیادت کے معنی مطلق ''زیارت'' کے آتے ہیں؛ لیکن اس کا مشہور اِستعمال ''زیارۃ المریض''، یعنی مریض کی زیارت کرنے کے معنی میں ہوتا ہے۔

مریض کی عیادت کا کیا حکم ہے اس بارے میں فقہاء امت کے متعدد اقوال ہیں سنّت، مندوب، واجب، سنّت علی الکفایۃ، فرض علی الکفایۃ۔

راجح یہ ہے کہ اگر کوئی دیکھ بھال کرنے والا ہو تب تو سنت ہے ورنہ واجب ہے، شارح بخاری علّامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: عیادت کا حکم اصل میں تو مستحب ہونے کا

ہے؛لیکن بعض اوقات بعض لوگوں کیلئے وجوب کے درجہ میں پہنچ جاتا ہے۔(فتح الباری)

ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کی عیادت کرنا تو اسلام کا حق ہے؛مگر اس سے آگے بڑھ کر انسانیت کی بنیاد پر بلاتفریق مذہب وملت غیر مسلم برادران وطن کی مزاج پرسی بھی اجر وثواب سے خالی نہیں،اگر اس میں تبلیغ اسلام کی نیت کرلی جائے تو پھر نور علی نور۔

روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک غیر مسلم یہودی لڑکے کی خبر گیری اور عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی،اور وہ لڑکا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش خلقی سے متاثر ہوکر آپ کی بے لوث دعوت کے نتیجے میں مسلمان ہوگیا،(بخاری شریف)اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کی بیمار پرسی اور دعوت ایمان کے لیے بھی تشریف لے جاتے تھے۔(بخاری شریف)

ایک اور روایت میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں،فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:بے شک مسلمان جب اپنے کسی مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو وہ مستقل جنّت کی میوہ خوری میں مصروف رہتا ہے یہاں تک کہ وہ عیادت سے واپس آجائے۔(مسلم شریف)

مزاج پرسی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا:ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عیادت کے لیے اگر صبح کے وقت جائے تو شام تک اور شام کو جائے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اُس کیلئے رحمت کی دعاء کرتے ہیں اور جنت میں اُس کیلئے ایک باغ مقرر ہوجاتا ہے۔(ترمذی شریف)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اِرشاد نقل فرماتے ہیں:جب کوئی شخص اپنے کسی بھائی کی عیادت کرتا ہے یا اپنے دینی بھائی کی زیارت کرتا ہے یعنی ملنے کیلئے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اِرشاد فرماتے ہیں:تم(دنیا وآخرت میں)خوش رہو،اور بہت اچھا رہے تمہارا چلنا اور تمہیں جنت میں ایک بڑا درجہ اور مرتبہ حاصل ہو۔(ترمذی شریف)

نیز حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ لعیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: جو کسی مریض کی عیادت کرے اور اُس کے پاس بیٹھ جائے تو جب تک وہ اُس کے پاس بیٹھے، رحمتِ الٰہی اُس کو ہر جانب سے گھیر لیتی ہے اور جب وہ اُس کے پاس سے اٹھ کر چلا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کیلئے ایک دن کے روزے کا اجر لکھ دیتے ہیں۔ (کنز العمال)

بیمار پرسی کے آداب: جس طرح ہر عبادت کے کچھ ادب آداب ہوتے ہیں، دین اسلام میں عیادت کے بھی مستقل آداب بتلائے گئے ہیں، فی زماننا بہت سے حضرات کو عیادت کے آداب کا علم نہیں ہوتا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بیمار کو تسلی دینے اور آرام پہنچانے کے بجائے اس کی تکلیف کا سبب بن جاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل کے ذریعہ تیمارداری کے آداب بھی امت کو سکھائے ہیں، ہر مسلمان کو ان کی رعایت کرنی چاہیے:

سب سے پہلے دعاء پڑھی جائے اور خیر وبھلائی کی بات کی جائے : حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب کوئی شخص بیمار ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے ہاتھ سے اسے چھوتے اور یہ دعا پڑھتے:

اَذْهِبِ الْبِأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَ اشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سُقْمًا.. (بخاری ومسلم)

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : بیمار یا میت کے گھر جاؤ تو اچھی باتیں کہو، اس لئے کہ فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں جو تم کہتے ہو۔

مریض کے پاس کم بیٹھنا: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عیادت کی سنت یہ ہے کہ مریض کے پاس تھوڑی دیر بیٹھا جائے اور شور کم کیا جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”العیادۃ فواق ناقۃ“ یعنی بیمار کی عیادت بس اتنی دیر ہونا چاہیے جتنی دیر اونٹنی کو دو مرتبہ دوہنے کے درمیانی وقفے میں لگتی ہے، (یعنی تھوڑی سی دیر) اسی طرح حضرت سعید ابن المسیبؒ نے فرمایا کہ ”افضل ترین عیادت وہ

ہے جس میں بیمار پرسی کرنے والا جلدی اٹھ کر چلا جائے''۔ (مشکوٰۃ بحوالہ بیہقیؒ)

ان روایات کی روشنی میں علماء نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے کہ عیادت کرنے والا بیمار کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے جس سے بیمار کو زحمت ہو۔

ملاعلی قاریؒ نے بعض حضرات سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ہم مشہور صوفی بزرگ سری سقطیؒ کی عیادت کو گئے اور دیر تک بیٹھے رہے، وہ پیٹ کے درد سے بے چین ہو رہے تھے اور ہم اٹھتے نہ تھے تو، بالآخر ہم نے ان سے کہا کہ: ہمارے لئے دعا فرمائیے تو ہم چلیں، اس پر حضرت سری سقطیؒ نے دعا فرمائی کہ یااللہ انہیں بیماروں کی عیادت کا طریقہ سکھا دیجئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے: اللہ تعالیٰ اُس پر رحم فرمائے جو صبح کی نماز پڑھ کر اللہ کی رضاء وخوشنودی اور آخرت کے (بہترین انجام اور ثواب) کے حصول کیلئے کسی مریض کی عیادت کرنے کیلئے جائے تو اللہ تعالیٰ اُس کیلئے ہر قدم کے بدلے ایک نیکی لکھ دیتے ہیں، ایک گناہ معاف کردیتے ہیں اور جب وہ مریض کے پاس بیٹھتا ہے تو اجر وثواب (کے سمندر) میں غرق ہوجاتا ہے۔ (شعب الایمان)

مریض کو اُس کی پسندیدہ غذا کھلانا، جبکہ اُس کے لئے وہ نقصان دہ نہ ہو: بیماری کی حالت میں منہ کا ذائقہ عموماً بدل جاتا ہے اور بعض اوقات اِسی کیفیت میں مریض کا دل کسی خاص چیز کے کھانے کا کررہا ہوتا ہے، ایسے میں دیکھنا چاہیئے کہ اگر وہ چیز مریض کیلئے نقصان دہ نہ ہو اور معالج کی طرف سے اُس کا پرہیز نہ بتایا گیا ہو تو مریض کو منع نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ کوشش کرکے کہیں سے بھی حاصل کرکے اسے کھلانا چاہیئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کی تعلیم دی ہے:

حضرت سلمانؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اِرشاد نقل فرماتے ہیں: جس نے مریض کو وہ چیز کھلائی جس کی اُسے خواہش تھی، اللہ تعالیٰ اُسے جنّت کے پھل کھلائیں گے۔ (طبرانی کبیر)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کی عیادت کی، آپ نے اُس سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز کی خواہش ہے؟ اُس نے کہا میں

گندم کی روٹی کھانا چاہتا ہوں، آپ نے لوگوں سے اِرشاد فرمایا: جس کے پاس گندم کی روٹی ہو اُسے چاہیئے کہ اپنے بھائی کے لئے بھیج دے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا مریض کسی چیز کے کھانے کی خواہش کرے تو اُسے کھلا دینا چاہیئے ۔(ابن ماجہ)

صحابہ کا طرزِ عیادت: ہر وہ شخص جو کبھی بیماری اور پریشانی سے دو چار ہوا ہو وہ یہ بات بہ خوبی جانتا ہے کہ مریض ہمیشہ اس بات کا طلب گار رہتا ہے کہ اس کی دلجوئی کی جائے، کوئی ہو جو اس کے پاس آ کر بیٹھے، اس سے باتیں کرے، اس کا حال پوچھے، اس کی تیمارداری کرے۔

سیدنا قیس بن سعد بن عبادہؓ بڑے مشہور صحابی ہیں، ان کا گھرانہ بڑا سخی تھا، اللہ نے انہیں خوب نوازا تھا، بنوخزرج کے اس سردار ابن سردار سے بہت سے لوگ قرض لے جاتے تھے، ضرورتمند لوگ قرض لے تو لیتے ہیں؛ مگر اس کی واپسی اتنی آسان نہیں ہوتی، ایک مرتبہ قیس بیمار ہو گئے، اب وہ اس انتظار میں ہیں کہ لوگ ان کی تیمارداری کے لیے آئیں؛ مگر بنوخزرج کے اس سردار کا گھر مہمانوں سے خالی ہے، بیوی سے پوچھا: میں بیمار ہوں، کیا وجہ ہے کہ لوگ میری تیمارداری کے لیے نہیں آئے؟! بیوی کہنے لگی: آپ کو معلوم ہے کہ مدینہ کے اکثر لوگوں نے آپ سے قرض لے رکھا ہے، ان کے وعدے گزر چکے ہیں مگر وہ قرض واپس نہیں کر سکے، وہ آپ سے شرمندہ ہیں اور آپ کا سامنا کرنے سے کترا رہے ہیں، قیس کہنے لگے: اچھا! تو یہ بات ہے کہ لوگ قرض واپس نہ کر سکنے کی وجہ سے میری تیمارداری کے لیے نہیں آئے، کہنے لگے: برا ہو ایسے مال کا! جو لوگوں کو میری تیمارداری سے روک رہا ہے، منادی کرنے والے کو بلایا، اس سے کہا: جاؤ! مدینہ کے بازاروں میں اعلان کر دو کہ جو کوئی قیس بن سعد کا مقروض ہے، قیس کی طرف سے اعلان ہے کہ اس کا قرض معاف کیا جاتا ہے۔

اعلان کرنے کی دیر تھی کہ لوگ اتنی کثرت سے ان کے گھر تیمارداری کیلئے آتے گئے کہ گھر کے دروازے کی دہلیز ٹوٹنے کے قریب ہو گئی۔

اسی طرح ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کون ایسا شخص

ہے جس نے آج روزہ رکھا ہوا ہے؟ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آج روزہ رکھا ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: آج تم میں سے کس نے کسی مسلمان بھائی کا جنازہ پڑھا ہے؟ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے جنازہ پڑھا ہے، ارشاد ہوا: آج تم میں سے کس نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ ابوبکر صدیقؓ عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آج مسکین کو کھانا کھلایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ آج تم میں سے کس نے مریض کی عیادت کی ہے؟ ابوبکر صدیقؓ عرض کرتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آج مریض کی عیادت کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان اقدس سے یہ الفاظ ارشاد فرماتے ہیں: ''جس شخص میں یہ ساری خوبیاں جمع ہو جائیں وہ یقینا جنت میں جائے گا۔'' (رواہ مسلم)۔

ذرا غور کیجیے! ان خوبیوں میں سوائے روزے کے باقی ساری خوبیاں اخلاق حسنہ اور دوسروں سے حسن سلوک کی نشان دہی کرتی ہیں۔

ہماری حالت زار:

آج کل ہمارے معاشرہ میں جملہ معاشرتی حقوق ایک رسم بن کے رہ گئے ہیں، اگر کوئی بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کے لیے جانا بھی دردسر سمجھا جاتا ہے اور یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں کو دیکھنے بھی جانا ہے، دو دن ہو گئے وہ بیمار ہے، وہ کہے گا کہ میں اس کو دیکھنے بھی نہیں آیا، مریض کی عیادت کو نیک کام نہیں؛ بلکہ ایک بوجھ سمجھ کر کیا جاتا ہے، حالاں کہ یہ ایک انسانی حق ہے اس کی ادائیگی میں ایثار اور خندہ پیشانی کا مظاہرہ ہونا چاہیے۔

آج اجتماعی اور انفرادی دونوں طریقوں سے تیمارداری کی اس سنت کو زندہ کرنے کی اشد ضرورت ہے، قابل مبارک باد ہے وہ دینی اور رفاہی تنظیمیں جو اس حوالے سے سرگرم عمل ہیں؛ مگر ان ہی پر اکتفا کرنا ٹھیک نہیں؛ بل کہ حالات کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے اسلام کا پیغام انسانیت لوگوں تک پہونچانا ہی وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

گذشتہ سے پیوستہ

دوراندیش اور صاحبِ نظر کون تھا؟

مدارس اسلامیہ کے موجودہ نصاب و نظام تعلیم پر ایک تحریر

مولانا محمد معاویہ سعدی استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

ہر زمانے کے معاصر علوم وفنون (وعلم آدم الأسماء کلها) کے تحت ''آدمیوں'' کی ایک معاشرتی ضرورت ہیں، نہ ان کی اہمیت وافادیت کا انکار کیا جاسکتا ہے، نہ ان کے مطلوب وضروری ہونے کا، اور یہ سلسلہ ہر زمانے میں بغیر کسی شور اور ہنگامے کے جاری بھی رہا ہے، آخر آج سے پہلے بھی طب، معالجہ، تجارت، زراعت، اور دیگر حرفت وصنعت وغیرہ سائنسی اور معاشرتی علوم وفنون پائے جاتے تھے یا نہیں؟ اور کیا کبھی کسی عالم دین نے ان کی ضرورت واہمیت کا انکار کیا ہے؟

مگر پریشانی اس وقت شروع ہوتی ہے جب اس عام معاشرتی ضرورت کے نصاب ونظام کو دینی مدارس کا حریف، یا ان کے نصاب ونظام کا حصہ بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، حالاں کہ نہ تو یہ علوم وفنون ہمارے مدارس کے حریف ہیں، کہ ان کو مدارس کا مدمقابل بنا کر پیش کیا جائے، جیسا کہ دین بیزار طبقات کرتے ہیں، اور نہ ہی یہ ہمارے نصاب ونظام کا جزو ہیں، جیسا کہ آج کل بعض اپنے حضرات کی تقریر وتحریر سے بھی اس کا اِیہام ہوتا ہے۔

بلکہ یہ عام انسانوں کی عام ضرورتوں سے متعلق فنون ہیں، جو جس فن کو جتنا سیکھنا چاہے (اپنے عقیدہ وعمل کی ضمانت کے ساتھ) سیکھے، اور رہے ہمارے مدارس تو یہ دنیا کی آمیزش کے بغیر ''خالص دینی'' ادارے ہیں، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مدرسہ دیوبند کی تعلیم کی بابت بڑے بڑے انگریزوں کی یہ تحریر ہے کہ اگر اِس مدرسہ کی مذہبی تعلیم میں دنیاوی تعلیم شامل کی گئی، تو اِس کا مذہبی خالص رنگ باقی نہ رہے گا، جو

اِس مدرسہ کا مایۂ ناز ہے‘‘(ملفوظات ۱۸؍ ۲۳۳)۔

دارالعلوم دیوبند کے اولین صدر المدرسین حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: ’’اکثر لوگوں کو اس مدرسے کی حالت دیکھ کر خیال ہوگا کہ یہاں علوم معاش کا کچھ انتظام نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مدرسہ اس لیے ہے ہی نہیں، نہ ہم نے دعوی کیا ہے کہ تمام علوم کی تعلیم ہوگی، یہ تو صرف ان کے لیے ہے جن کو فکر آخرت نے دیوانہ بنایا ہے‘‘۔(حسن العزیز ۲؍ ۱۳۹)۔

خلاصہ یہ کہ ایک ہے ’’علمِ نبوت‘‘، اور ایک ہے ’’علمِ آدمیت‘‘، ہمارے اِن مدارس کا اَصل موضوع ’’علمِ نبوت‘‘ ہے، ’’علمِ آدمیت‘‘ نہیں، انبیائے کرام علیہم السلام کا مقصدِ بعثت، اور موضوعِ دعوت، معاشرے میں رائج علوم وفنون حاصل کر کے، ’’تمدنی ترقی‘‘ کی دوڑ میں شامل ہونا نہیں ہوتا، بلکہ جو لوگ پہلے سے اِن اُمور میں مشغول ہوتے ہیں اُن کے اندر، دنیا میں انہماک کم کر کے، تعلق مع اللہ، اور فکر آخرت کا جذبہ پیدا کرنا ہوتا ہے، اور ہر چیز میں حلال وحرام کی تفصیل بتلا کر، حدودِ شریعت قائم فرمانا ہوتا ہے۔

علمِ نبوت اور علمِ آدمیت کا یہی وہ فرق ہے جو اِن دونوں حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے، کہ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **(أعلمكم بالله أنا)**، اور دوسرے موقع پر آپ ہی کا ارشاد ہے: **(أنتم أعلم بأمر دنياكم)**۔

البتہ جو معاصر علوم وفنون: دین فہمی، اشاعتِ دین، یا دفاعِ دین میں مفید ومعاوِن ہوسکتے ہیں، اُن کو بھی حسبِ مصلحت اور بقدرِ ضرورت اُن چند شرائط کے ساتھ دینی مدارس کے نصاب ونظام کا حصہ بنایا جاسکتا ہے، جو حضرت تھانویؒ نے تعلیمِ انگریزی سے متعلق ایک استفتاء کے جواب میں ذکر فرمائی ہیں۔

’’رسالۂ ’’تحقیقِ انگریزی‘‘ میں مفصل جواب لکھا ہے، مختصر یہ ہے کہ انگریزی مثل اور زبانوں کے ایک مباح زبان ہے، مگر تین عوارض سے اس میں خرابی آجاتی ہے:

اول: بعض علوم اس میں ایسے ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں، اور علمِ شریعت سے واقفیت

ہوتی نہیں، اِس لیے عقائد خلاف ہوجاتے ہیں،جس میں بعض عقائد قریب کفر، بلکہ کفر ہیں۔

دوسرے: اگرایسے علوم کی بھی نوبت نہ آئے،تو اکثر صحبت بددینوں کی رہتی ہے،ان کی بددینی کا اثر اس شخص پر آجاتا ہے،کبھی اعتقاداً،جس کا حکم اوپر معلوم ہوچکا،کبھی عملاً،جس سے نوبت فسق کی آجاتی ہے۔

تیسرے: اگرصحبت بھی خراب نہ ہو، یا وہ مؤثر نہ ہو،تو کم ازکم اتنا ضرور ہے کہ یہ نیت رہتی ہے کہ اس کو ذریعۂ معاش بناویں گے،خواہ طریقۂ معاش حلال ہو یا حرام،اور یہ مسئلہ عقلاً ونقلاً ثابت ہے کہ جومباح: ذریعہ کسی حرام کا بن جائے وہ حرام ہوجاتا ہے۔

پھر ایسا عزم خود معاصی قلب سے ہے،تو اِس صورت میں فسقِ ظاہری کے ساتھ فسقِ باطنی بھی ہے۔

اِن عوارض ثلاثہ کی وجہ سے گاہے کفر والحاد تک، گاہے فسقِ ظاہری تک، گاہے صرف فسقِ باطنی تک،نوبت پہنچ جاتی ہے۔

اگر کوئی اِن عوارض سے مبرا ہو،یعنی عقائد بھی خراب نہ ہوں،جس کا آسان طریقہ، بلکہ متعین طریقہ یہی ہے کہ علمِ دین حاصل کرکے،یقین کے ساتھ اُس کا اعتقاد رکھے،اوراَعمال بھی خراب نہ ہوں،عزم بھی یہ رہے کہ اِس سے وہی معاش حاصل کریں گے جوشرعاً جائز ہوگی،اور پھر اسی کے موافق عمل درآمد بھی کرے:

تو ایسے شخص کے لیے انگریزی مباح اور درست ہے،اور اگراس سے بڑھ کر یہ قصد ہو کہ اُس کو ذریعۂ خدمتِ دین بناویں گے تواس کے لیے عبادت ہوگی۔

حاصل یہ کہ انگریزی کبھی حرام ہے،کبھی مباح،کبھی عبادت‘‘۔(امدادالفتاوی ۶/۱۵۶)۔

یہاں ایک اہم سوال یہ کیا جاتا ہے کہ جب یونانی فلسفہ آیا تھا،تو وہ بھی کفریہ عقائد اور اِلحاد ہی پر مشتمل تھا،مگر اِس کے باوجود ہمارے اکابر نے اُس کو حاصل کرکے،مفاسد کو دور کیا، اور پوری بصیرت کے ساتھ حق اور ناحق کو ایک دوسرے سے ممتاز کیا،توجس طرح

سے ہمارے اسلاف نے اُس کو بالکلیہ رد کرنے کے بجائے، مفید ومضر پہلوؤں کو ایک دوسرے سے علاحدہ کیا تھا، اِسی طرح سے اکابر دیوبند وسہارنپور کو بھی چاہیے تھا کہ سائنس وغیرہ جدید علوم حاصل کرتے، پھر اُس کے حق و باطل میں خط امتیاز کھینچتے، تا کہ قوم دینی حیثیت سے اُن کے مضر پہلوؤں سے بچ جاتی، اور دنیوی فوائد حاصل کرلیتی۔

اِس کے جواب میں چند نکتوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے:

اول: فلسفہ وغیرہ علوم خیر القرون کے بعد، مسلمانوں کے ہاں آئے ہیں، اِس لیے اُس زمانے کے کسی بھی عمل کو بطور حجت اور معیارِ حق کے نہیں پیش کیا جاسکتا۔

دوم: دوسری بات یہ ہے کہ جب اسلامی معاشرے میں یہ علوم آئے تھے، تو عقائد ہی کی حفاظت کے نقطۂ نظر سے اُس وقت کے بھی دینی حلقوں کی طرف سے ان کی شدید مخالفت کی گئی تھی، پھر یہ علوم معاشرتی ضرورتوں کے تحت اگر چہ مسلمانوں میں داخل ہوتے چلے گئے تھے، مگر جو لوگ اِس میں منہمک ہوئے، وہ عام طور پر اپنے عقائد کی حفاظت نہ کرسکے، چنانچہ بوعلی سینا، فارابی، کندی، زہراوی وغیرہ جتنے مسلمان سائنس دانوں کے نام لیے جاتے ہیں اُن کی شخصیات دینی لحاظ سے کافی مطعون رہی ہیں۔

سوم: تیسری اہم بات یہ ہے کہ اُس وقت مسلمان عروج پر تھے، اور دوسروں سے متاثر ہونے کے بجائے، خود مؤثر اور اثر انداز تھے، اسلامی تہذیب ومعاشرت پوری دنیا کے لیے نمونہ تھی، تو اگر وہ دوسروں کی چیز استعمال کر بھی رہے تھے، تو مرعوب ہو کر نہیں، صرف معاشرتی اور تمدنی ضرورت کے تحت۔

مگر اَب صورتحال بدلی ہوئی ہے، اَب مسلمان اپنی شامتِ اعمال سے زوال وانحطاط کا شکار ہیں، اُن کی اپنی تہذیب وثقافت، اور اخلاق ومعاشرت کا کوئی معیار باقی نہیں رہ گیا ہے، وہ خود دوسروں سے مرعوب ہیں، دوسروں کی تہذیب وثقافت اور اخلاق ومعاشرت کو نعوذ باللہ اپنے لیے نمونہ اور معیار سمجھنے لگے ہیں، اور اِس کے لیے سب سے بڑا ذریعہ غیروں

کی زبان، اُن کی تعلیم، اور (مزعومہ) سائنسی ترقیات ہیں، اِس لیے ایسی مرعوبیت کی حالت میں ان چیزوں کی طرف جھانک کر دیکھنا بھی انتہائی خطرناک ہوسکتا ہے۔

یہ کتنی عبرت کی بات ہے کہ حضرت نانوتویؒ کے دور سے اَب تک جن حضرات نے بھی ''جدید اُسلوب'' میں اہل باطل کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی ہے، اپنی نیک نیتی کے باوجود وہ حضرات فکری لحاظ سے ''تجدد'' کی کم ازکم آنچ اور دھویں سے خود کو محفوظ نہ رکھ سکے(الاماشاءاللہ)۔

کسی نے غیب کا انکار یا استہزاء کیا، کسی نے معجزات کا انکار یا بے جا تاویلات کیں، کسی نے اسلامی سادگی اور بے تکلفی پر تبصرے کیے، کسی نے سلف کو مطعون کیا، کسی نے صحابہ پر تنقید کی، کسی نے فقہ کا مذاق اڑایا، کسی نے تقلید کو نشانہ بنایا..... وغیرہ وغیرہ، یہ سب چیزیں ''جدت پسندی'' (انگریزی تعلیم وتہذیب، اور سائنسی مزاج) کے لازمی نتائج میں سے ہیں۔

ایسے میں اگر اکابر دیوبند وسہارنپور ''جدید دور کے جدید تقاضوں'' کے خوش نما عنوان سے خدانخواستہ ذرا بھی متاثر ہوگئے ہوتے، جیسا کہ دیگر حلقے چاہتے تھے، اور اس کے لیے پورا زور صرف کررہے تھے، تو اِسلام کو اُس کی اصل شکل میں برتنے والے شاید انگلیوں پر بھی پورے نہ ہوپاتے، مگر بتوفیقہ تعالی دینی مدارس کے اپنے ''فرسودہ نصاب ونظام'' پر جمود (واستقامت) نے اہل باطل کی ساری کوششیں ناکام بنادیں، اور الحمدللہ مسلمانوں کی زندگیوں میں وہی دین پوری قوت اور تازگی کے ساتھ باقی رہ گیا جو اَب سے چودہ سو تیس سال قبل مکمل ہوچکا تھا، اُس میں نہ کسی سائنسی تحقیق سے استفادے کی ضرورت پڑی، نہ کسی جدید تہذیب وثقافت کے اضافے کی (جیسا کہ ایک مفسر صاحب نے اسلام میں ''تدریج'' کی بات کہی ہے، نعوذ باللہ)، نہ کسی نئی زبان کی تعلیم کی، اور نہ رفتارِ زمانہ کا ساتھ دینے کی۔ **فللّٰہ الحمد، ولہ الشکر۔ (الحمد للہ الذي ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا أن ھدانا اللہ)۔**

ایک فریضہ......ایک نیکی

مولانا محمد منصور احمد
فاضل ومتخصص دارالعلوم کراچی

عالمی اداروں کی رپورٹ کے مطابق دنیا میں اس وقت پندرہ کڑور تیس لاکھ بچے یتیم ہیں اور ان بچوں میں چھ کڑور یتیم بچے صرف ایشیا میں موجود ہیں، اوران بچوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اگر یہ یتیم بچے انسانی ہاتھوں کی زنجیر بنائیں تو پوری دنیا کے گرد حصار بن سکتا ہے، چند مسلم ممالک عراق، افغانستان، فلسطین اور شام وغیرہ میں خاص طور پر گزشتہ چند سال سے مسلط کی گئی جنگوں کے باعث یتیم بچوں کی تعداد میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا ہے، پاکستان میں بھی یتیم بچوں کے حوالے سے صورت حال مختلف نہیں، گزشتہ عشرے میں آنے والی ناگہانی آفات، بدامنی کے خلاف جنگ، صحت عامہ کی سہولیات کی کمی اور روزمرہ حادثات کے باعث جہاں ہزاروں افراد اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، وہیں لاکھوں بچے بھی اپنے خاندان کے کفیل سے محروم ہو گئے اور معاشرے کے یتیم ٹھہرے، مختلف اداروں کے مطابق پاکستان میں ۴۲ لاکھ بچے یتیم ہیں جن کی عمریں ۱۵ سال سے کم ہے اوران میں بڑی تعداد ایسے بچوں کی ہے، جنہیں تعلیم وتربیت، صحت اور خوراک کی مناسب سہولیات میسر نہیں، بدقسمتی سے روز بروز بگڑتی معاشی صورت حال، کم آمدنی اور سماجی رویوں کے باعث بھی یتامیٰ کے خاندان کے لیے اس کا بوجھ اٹھانا مشکل ہو جاتا ہے۔

یہ بچے تعلیم وتربیت اور مناسب سہولیات نہ ملنے کے باعث معاشرتی اور سماجی محرمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں، بلکہ کئی تو بے راہ روی تک کا شکار ہو جاتے ہیں، توجہ اور بنیادی سہولیات نہ ملنے کے باعث یہ یتیم بچے معاشرے کے بے رحم تھپیڑوں کی نذر ہو جاتے ہیں اور پھر انکی تعلیم وتربیت ایک سوالیہ نشان بن جاتا ہے۔

یتیم کے حقوق پر اسلام نے بہت زیادہ زور دیا ہے جس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں ۲۳ مختلف مواقع پر یتیم کا ذکر کیا گیا ہے، ان آیات مبارکہ میں جہاں پر یتیم کے ساتھ حسن وسلوک اور ان کے حق ادا کرنیکا حکم دیا گیا ہے وہاں پر یتیم کے ساتھ زیادتی کرنے والے، ان کے حقوق و مال غصب کرنے والے پر سخت ترین وعید کی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بے شک وہ لوگ جو ظلم کرتے ہوئے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں بالکل آگ بھرتے ہیں اور عنقریب یہ لوگ بھڑکتی ہوئی آگ میں جائیں گے''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور مت قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طریقہ سے جو بہت اچھا ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچے۔'' (انعام: ۱۵۳)

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اور پوچھتے ہیں آپ سے یتیموں کے بارے میں، فرمائیے (ان سے الگ تھلگ رہنے سے) ان کی بھلائی کرنا بہتر ہے اور اگر تم انہیں ساتھ ملا لو تو وہ تمھارے بھائی ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے بگاڑنے کو سنوارنے والے سے'' (البقرہ: ۲۲۰)

یتیم ہونا کوئی نقص نہیں بلکہ منشاء خداوندی ہے، خالق کائنات، مالک ارض وسماوات جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب، سرکار دوعالم، تاجدار ختم نبوت، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت یتیمی میں پیدا فرمایا، امام الانبیاء، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ انتقال فرما چکے تھے پھر چھ سال کی عمر میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ بھی انتقال فرما گئیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کیفیت کا ذکر قرآن مجید میں یوں کیا ہے:

''کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا، پھر جگہ دی'' (الضحیٰ)

پھر اس دُرِ یتیم صلی اللہ علیہ وسلم نے یتامیٰ کی محبت، ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کی نہایت اعلیٰ مثالیں قائم کیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یتامیٰ کی اچھی کفالت کرنے والے کو جنت کی خوشخبری دی اور ان کے حقوق پامال کرنے والے کو

دردناک عذاب کی وعید سنائی۔

امام عبدالرزاق الصنعانیؒ نے ''مصنف عبدالرزاق کتاب العلم''میں حضرت سیدنا داوٗد علیہ السلام کے قول کے طور پر اسے نقل کیا اور چند ایک محدثین کرام نے اسے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے طور پر بھی نقل کیا ہے۔

''**کن للیتیم کأب رحیم**''یتیم پر اس کے والد کی طرح شفقت فرمائیے

یعنی جب کسی یتیم کو دیکھو تو اس یتیم کے لیے محبت کرنے والے باپ بن جایا کرو، جس طرح اپنے بیٹے کو گود میں اٹھا لیتے ہو اسی طرح کوئی یتیم سامنے آئے تو اسے اٹھا لیا کرو، جس طرح اپنی اولاد کو سینے سے لگا لیتے ہو اسی طرح کسی یتیم کو پاؤ تو اسے بھی اپنے سینے سے لگا لیا کرو جس طرح اپنے بچوں کے لیے کھلونا یا کھانے پینے کی چیز بازار سے خرید کر لاتے ہو اسی طرح جو بھی تمہارے ارد گرد، گلی، محلے، عزیز و اقارب اور رشتہ داروں میں اگر کوئی یتیم بچہ ہو تو اس کے لیے بھی وہ چیز لے کر آؤ، یہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث بنتا ہے اور جنت میں لے جانے والا کام ہے۔(المصنف، کتاب العلم، ج ۱۰، ۲۶۸)

یتیم کی اچھی پرورش کے فضائل: جس کے زیر سایہ یتیم ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس یتیم کی اچھی پرورش کرے، احادیث مبارکہ میں یتیم کی اچھی پرورش کرنے کے بہت فضائل بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے چند فضائل درج ذیل ہیں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے، پھر اپنی شہادت والی اور درمیان والی انگلی سے اشارہ فرمایا اور انہیں کشادہ کیا۔''(بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مسلمانوں میں سے سب سے اچھا وہ گھر ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور سب سے برا گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔(مشکوٰۃ، ابن ماجہ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جس نے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیراا اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا تھا تو اس کے لئے ہر اس بال کے بدلے نیکیاں ہیں جس جس بال کو اس کا ہاتھ لگا تھا، جس نے اپنی زیر کفالت کسی یتیم بچی یا بچے کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو وہ اور میں جنت میں اس طرح ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی میں تھوڑا فاصلہ رکھا۔'' (مسند احمد بن حنبل، طبرانی فی المعجم الکبیر، درمنثور)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنت میں ایک گھر ایسا ہے جس کا نام دار الفرح (خوشی کا گھر) ہے، اس گھر میں وہی لوگ داخل ہوں گے جنہوں نے دنیا میں مسلمانوں کے یتیم بچوں کا دل خوش کیا ہوگا۔'' (کنز العمال)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''یتیم کی پرورش کرنے والا اگر چہ وہ اس کا رشتہ دار ہو یا نہ ہو وہ اور میں جنت میں اس طرح ہوں گے راوی نے درمیان والی انگلی اور شہادت کی انگلی ملا کر اشارہ کیا'' (مسلم شریف، مسند احمد بن حنبل)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یتیم کو ٹھکانہ (گھر) دے کر اس کے کھانے پینے کا انتظام کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت واجب کر دے گا، ہاں! مگر یہ کہ وہ کوئی ایسا گناہ (شرک وکفر) کرے جو معافی کے لائق نہیں۔ (تو وہ جنت میں نہ جا سکے گا) (سنن ترمذی)

یتیموں کا مال ناحق کھانے کی وعیدیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بے شک وہ لوگ جو ظلم کرتے ہوئے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں بالکل آگ بھرتے ہیں اور عنقریب یہ لوگ بھڑکتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔'' (النساء: ۱۰)

اس آیت کریمہ میں یتیموں کا مال ناحق کھانے پر سخت وعید بیان کی گئی ہے اور یہ سب یتیموں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کیونکہ وہ انتہائی کمزور اور عاجز ہونے کی وجہ سے اللہ

تعالیٰ کی مزید لطف وکرم کے حق دار تھے، اس آیت میں جو یہ ارشاد فرمایا گیا کہ ”وہ اپنے پیٹ میں بالکل آگ بھرتے ہیں“ اس سے مراد یہ ہے کہ یتیموں کا مال ناحق کھانا گویا آگ کھانا ہے کیونکہ یہ مال کھانا جہنم کی آگ کے عذاب کا سبب ہے۔(تفسیر کبیر، النساء: ۱۰)

احادیث مبارکہ میں بھی یتیموں کا مال ناحق کھانے پر کثیر وعیدیں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے تین وعیدیں درجہ ذیل ہیں:

۱—حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”قیامت کے دن ایک قوم اپنی قبروں سے اس طرح اٹھائی جائے گی کہ ان کے منہ سے آگ نکل رہی ہوگی، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ ارشاد فرمایا: ”کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو نہیں دیکھا: **اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا** “

بے شک وہ لوگ جو ظلم کرتے ہوئے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں بالکل آگ بھرتے ہیں اور عنقریب یہ لوگ بھڑکتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔

۲—حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں نے معراج کی رات ایسی قوم دیکھی جس کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح تھے اور ان پر ایسے لوگ مقرر تھے جو ان کے ہونٹوں کو پکڑتے پھر ان کے منہ میں آگ کے پتھر ڈالتے جو ان کے پیچھے سے نکل جاتے، میں نے پوچھا: اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جو یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے تھے۔“(تہذیب الآثار، مسند عبداللہ بن عباس)

۳—حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”چار شخص ایسے ہیں جنہیں جنت میں داخل نہ کرنا اور اس کی نعمتیں نہ چکھانا اللہ تعالیٰ پر حق ہے:

(۱) شراب کا عادی (۲) سود کھانے والا (۳) ناحق یتیم کا مال کھانے والا (۴) والدین کا نافرمان (مستدرک، کتاب البیوع)

خواتین کی بہترین نمازگاہ گھر کی کوٹھری

مفتی شعیب احمد بستوی دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور

آج کل مسلمان عورتوں کی ملازمت کے تعلق سے بڑا واویلا اور شور کیا جا رہا ہے، اس سلسلہ میں سنجیدہ طبیعت، دین اور مزاج شریعت کا صحیح فہم وادراک رکھنے والے علماء کرام نے بعض استثنائی صورتوں میں حدود وقیود کے ساتھ عورتوں کی ملازمت کو جائز قرار دیا، اس پر نام نہاد مفکرین اور دانشوران جنھیں دین وشریعت کے اصول ومبادی اور مزاج شریعت کی رمزشناسی کی ہوا تک نہیں ہے انھوں نے عورتوں کو مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کا مسئلہ بھی اسی پر قیاس کرلیا۔ زیر نظر مضمون اسی غلط فکر کی وضاحت کے لئے اشاعت پذیر ہے (مرتب ماہنامہ)

اسلام کے ماننے والوں کو اللہ رب العزت نے اس طرح آزاد نہیں چھوڑا کہ وہ جس طرح چاہیں من مانی زندگی گذاریں، جس طرح چاہیں عبادت کریں، معاملات کریں، مرضی کے مطابق کھائیں پئیں، بلکہ دین اسلام زندگی کے تمام شعبوں کے لیے ایک اصول ضابطہ اور آداب وقواعد رکھتا ہے، اب ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ کسی بھی کام کو انجام دینے سے پہلے یہ دیکھے کہ شریعت کا اس کے بارے میں کیا حکم ہے اور اس کام کو کس طرح انجام دینے کی ہدایت کرتی ہے، دین کا کوئی بھی کام اگر شریعت کے دائرہ میں رہ کر کیا جائے گا، تو وہ دین ہوگا اور کامیابی کا ذریعہ ہوگا، اور اگر حدود شریعت سے تجاوز ہو گیا تو وہ دین نہیں بے دینی ہوگی اور باعث اجر ہونے کے بجائے موجب گناہ ہوگا۔

اسی کے ساتھ تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو اپنی زبان مبارک سے بہتر وافضل فرمادیا وہی چیز قیامت تک کے لیے بہتر وافضل ہوگی، کوئی بھی شخص اگر اس کے خلاف بتلائے تو اس کا قول ناقابل عمل اور مردود ہوگا، اس عقیدے کو ذہن میں رکھتے

ہوئے جب ہم احادیث پاک کا مطالعہ کرتے ہیں تو مردوں کے متعلق ہمیں جابجا یہ حکم ملتا ہے کہ وہ مسجدوں میں جا کر باجماعت نماز ادا کریں، مختلف طریقے سے اس پر ترغیب وترہیب وارد ہوئی ہے اس کے بالمقابل عورتوں کے متعلق میری نظر سے کہیں نہیں گذرا، کہ آپ ؐ نے ان کو مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کا حکم فرمایا ہو یا اس کی ترغیب دی ہو، چنانچہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے:

عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال لو لا ما فی البیوت من النساء و الذریة اقمت صلوة العشاء و امرت فتیانی یحرقون مافی البیوت بالنار (مسند احمد ۲/۳٦۷)

آپ ؐ نے فرمایا کہ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی نماز قائم کر کے اپنے جوانوں کو حکم دیتا کہ جو لوگ نمازمیں حاضر نہیں ہوتے ان کے گھر بار آگ میں جلا دیئے جائیں۔

معلوم ہوا کہ عورتوں اور بچوں کو مسجدوں میں جا کر نماز پڑھنے کا حکم نہیں ہے، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا استثناء کیوں فرماتے۔

اس کے برخلاف ہمیں یہ حکم ملا کہ عورتیں اپنے گھروں کے ایک گوشہ میں نماز پڑھا کریں یہ ان کی سب سے بہتر اور افضل نماز ہے متعدد حدیثوں کے اندر آپ نے عورتوں کو اسی کی ترغیب دی ہے۔

چنانچہ صاحب النعلین والوسادہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے:

قال رسول الله ﷺ صلوة المرأة فی بیتها افضل من صلوتها فی حجرتها و صلوتها فی مخدعها افضل من صلوتها فی بیتها (قال فی البذل مخدع و هو البیت الصغیر الذی یکون داخل البیت الکبیر یحفظ فیه الامتعة النفیسة- (بذل المجهود ۱/۳۲۰)-ابو داود ۱/۸۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کا گھر کے اندر نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور اس کا کوٹھری (اسٹور) میں نماز پڑھنا اس کے بیت میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

عن ام حمید امرأة ابی حمید الساعدی انها جاء ت النبی ﷺ فقالت یا رسول الله انی احب الصلوة معک فقال قد علمت انک تحبین الصلاة معی، و صلوتک فی بیتک

خیر من صلوتک فی حجرتک وصلوتک فی حجرتک خیر من صلوتک فی دارک وصلوتک فی دارک خیر من صلوتک فی مسجد قومک وصلوتک فی مسجد قومک خیر من صلوتک فی مسجدی الخ۔(مجمع الزوائد ۲؍۳۳و ۳۴،الترغیب والترهیب ۱؍۲۲۵)

ابوحمید ساعدی کی بیوی اُم حمید فرماتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئیں اورعرض کیا اے اللہ کے رسول میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا شوق بہت اچھا ہے (اور دینی جذبہ ہے) مگر تمہاری نماز اندرونی کوٹھری میں کمرہ کی نماز سے بہتر ہے اور کمرہ کی نماز گھر کے احاطہ کی نماز سے بہتر ہے اور گھر کے احاطہ کی نماز محلہ کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے اور محلہ کی مسجد کی نماز میری مسجد (مسجد نبوی) کی نماز سے بہتر ہے، چنانچہ ام حمید نے اپنے کمرے کے آخری کونے میں جہاں سب سے زیادہ اندھیرا رہتا تھا نماز پڑھنے کی جگہ بنوائی وصال تک وہیں نماز پڑھا کرتی تھیں۔

عن ام سلمة قالت قال رسول اللہ ﷺ صلوة المرأة فی بیتها خیر من صلوتها فی حجرتها وصلوتها فی حجرتها خیر من صلوتها فی دارها وصلوتها فی دارها خیر من صلوتها فی مسجدقومها۔(رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد جید،الترغیب والترہیب ۱؍۲۲۶،مجمع الزوائد ۲؍۳۴)

ام سلمہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی نماز بند کوٹھری میں کمرہ کی نماز سے بہتر ہے اور کمرہ کی نماز گھر (کے احاطہ) کی نماز سے بہتر ہے اور گھر کے احاطہ کی نماز محلہ کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے۔

مذکورہ بالا روایات سے چند باتیں صراحۃً معلوم ہوئیں:

۱— حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتوں کو جماعت میں حاضر ہونے کی تاکید نہیں تھی، صرف اجازت تھی، اور ہدایت وفہمائش ایسی تھی کہ عورتیں خود ہی باز آجائیں۔

۲— عورتوں کا مسجد میں آنا صرف اباحت ورخصت کے درجہ میں تھا نہ کہ تاکید یا فضیلت واستحباب کا درجہ تھا۔

۳- اُم حمید کا حضورؐ کی تعلیم وترغیب پر عمل کرتے ہوئے مسجد کو چھوڑ کر اپنے گھر میں مرتے دم تک نماز پڑھنا، یہ عین اتباع نبوی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کی تکمیل تھی۔

بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتوں کے لیے رخصت واباحت تھی لیکن ان قیود وشرائط کے ساتھ تھی، کہ عورتیں بن سنور کر لباس فاخرہ زیب تن کر کے خوشبو لگا کر بجتا ہوا زیور پہن کر نہ آئیں، بلکہ میلی کچیلی آئیں۔

عن زینب امرأة عبدالله بن مسعود قالت قال لنا رسول الله اذا شهدت احداکن المسجد فلا تمس طيبا۔ (مسلم ۱/۱۸۳)

حضرت عبداللہ ابن مسعود کی بیوی حضرت زینب سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت مسجد آئے تو خوشبو کو ہاتھ نہ لگائے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

قالت بينما رسول الله ﷺ جالس فی المسجد اذ دخلت امرأة من مُزينة يترفّل فی زينة لها فی المسجد فقال النبی ﷺ يا ايها الناس انهو نساء كم عن لبس الزينة والتبختر فی المسجد فان بنی اسرائيل لم يلعنوا حتى لبس نساء هم الزينة وتبخترن فی المسجد۔ (ابن ماجہ باب فتنۃ النساء ص ۲۸۸)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اتنے میں قبیلہ مُزَینہ کی ایک عورت زیب وزینت کا لباس پہنے ہوئے مٹکتی (اتراتی) ہوئی مسجد میں آئی آپ نے فرمایا اے لوگو! اپنی عورتوں کو زیب وزینت کا لباس پہننے اور مسجد میں مٹکنے سے روکو، کیونکہ بنی اسرائیل پر لعنت نہیں کی گئی، یہاں تک کہ ان کی عورتوں نے زیب وزینت کا لباس پہننا اور مسجد میں مٹکنا شروع کر دیا۔

اور پھر حضورؐ کی اس اجازت ورخصت کی بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں تھیں، مثلاً یہ کہ وہ خیر القرون کا زمانہ تھا، فتنوں سے محفوظ تھا، آپ بنفس نفیس موجود تھے، وحی کا نزول ہوتا تھا، نئے

نئے احکامات آتے تھے، نئے مسلمان تھے، نماز، روزہ وغیرہ کے احکام ومسائل سیکھنے کی ضرورت تھی اورسب سے بڑھ کر یہ کہ حضور کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عجیب وغریب علوم کا انکشاف ہوتا تھا اس لیے ان کو مسجد جانے سے منع نہیں کیا گیا۔

مگر ان تمام تر مصلحتوں کے باوجود حضور نے عورت کی بند کوٹھری کی نماز کو مسجد نبوی (جس میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے) اور اپنی اقتداء میں ادا کی ہوئی نماز کے ثواب سے بھی زیادہ افضل وبہتر قرار دیا ہے۔

اب جب کہ ساری مصلحتیں ختم ہوگئیں فتنہ کا زمانہ آ گیا، عورتوں کے اندر آزادی، بے حیائی، عریانی وبے احتیاطی کی انتہاء ہوچکی ہے، برقع رخصت ہو چکا ہے، اس کی جگہ قسم قسم کے فیشن ایبل لباس آ چکے ہیں اور پھر مغربی تہذیب سے آراستہ کھلے سر، کھلے منہ، بازاروں میں گھومتی ہیں، ایسے پر فتن دور میں عورتوں کو مسجد اور عیدگاہ میں لانا اوراس کی ترغیب دینا کہاں تک مناسب ہے؟

اوراس پر غضب یہ کہ اپنے اس قول کو سنت نبوی بتانا اوراحیائے سنت قرار دینا اگر یہ عمل سنت وبہتر ہوتا تو حضور گھر کی نماز کو سب سے افضل نہ فرماتے، کیا ترک سنت میں زیادہ ثواب اورسنت پر عمل کرنے میں کم تھا، اور کیا (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب دے کر ترک سنت کی ترغیب دیتے تھے۔

جولوگ عورتوں کو نمازیں مسجدوں میں لانے کی وکالت کرتے ہیں شاید یہ لوگ اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ متقی اور اپنی مسجد کو مسجد نبوی سے زیادہ مقدس اور اپنی عورتوں کو اس مبارک زمانہ کی صحابیات سے زیادہ عفیفہ پاکباز اور باحیاء تصور کرتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کے منشاء کو سب سے زیادہ سمجھنے والے صحابہ کرام تھے، اسی لیے جب ان کے زمانہ میں حالات بدلے اورعورتوں کے اندر زیبائش کا رواج شروع ہوا تو انہوں نے بالاجماع عورتوں کو مسجد جانے سے سختی کے ساتھ روک دیا، کچھ عورتوں کو یہ فیصلہ ناگوار گذرا تو انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے اس کی شکایت کی تو ام المومنین نے نہ یہ کہ

اس فیصلے سے اتفاق کیا بلکہ فرمایالو ان رسول اللہ ﷺ رای ما احدث النساء بعدہ لمنعھن کما منعت نساء بنی اسرائیل۔ کہ اگر حضور عورتوں کی یہ حالت دیکھتے تو یقینا عورتوں کو مسجد جانے سے روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔ (مسلم شریف ص ۱۸۳)

غور فرمائیں کہ حضرت عائشہؓ کا یہ قول اپنے زمانہ کی عورتوں کے حالات کو دیکھ کر ہے اگر وہ اپنے بعد یا اس زمانہ کے حالات کو دیکھتیں تو کیا فرماتیں کسی عقل والے کے لیے سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے۔

جواز کی ایک دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ اب بھی تو عورتیں حرمین شریفین میں حج وعمرہ کے موقع پر اور اس کے علاوہ حاضر ہوتی ہیں، اس کے متعلق اول تو یہ عرض ہے کہ اِس زمانہ میں کسی کا فعل شرعی حجت نہیں چاہے وہ اہل حرمین ہی کیوں نہ ہوں، دوسری بات یہ ہے کہ حج وعمرہ کا استثناء حدیث میں مذکور ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ انہ کان یحلف فیبالغ فی الیمین ما من مصلی للمرأۃ خیر من بیتھا الافی حج او عمرۃ۔ (مجمع الزوائد ۲/۳۵)

حضرت ابن مسعودؓ قسم کھا کر بیان کرتے ہیں اور اپنی قسم میں بہت مبالغہ کرکے کہتے ہیں کہ عورت کے لیے اس کے گھر کی کوٹھری سے بہتر کوئی نماز گاہ نہیں، مگر حج وعمرہ کے حالات میں۔

جو لوگ یہ آواز اٹھارہے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر غور کریں، اور دیکھیں کہ ان کا یہ فعل سنت نبوی کے مطابق ہے یا خلاف اور ان کی یہ آواز سنت نبوی کے احیاء کی ہے یا اس کو مٹانے کی مذموم کوشش ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

☆☆☆☆☆☆☆

فتاوی

انتخاب وترتیب :عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

سوال- بہت سے لوگ مسجد میں آنے کے بعد بھی موبائل فون بند نہیں کرتے اور دوران نماز اس کی گھنٹی بجنے لگتی ہے،جس میں اکثر موسیقی ہوتی ہے، کیا ایسے موقع پر موبائل کو نماز کے دوران ہی بند کیا جاسکتا ہے؟ کیوں کہ اگر اسے یوں ہی بجنے دیا جائے تو پوری مسجد کے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔

جواب– واضح رہے کہ موبائل کو بند کرنے کے لیے نماز کو توڑنا تو جائز نہیں، البتہ ایک ہاتھ سے اس طرح بند کیا جاسکتا ہے کہ دور سے دیکھنے والا شخص یہ نہ سمجھے کہ یہ آدمی نماز نہیں پڑھ رہا اور اگر نمازی موبائل کو اس طرح بند کر رہا ہو کہ دور سے دیکھنے والا شخص یہ سمجھے کہ یہ آدمی نماز نہیں پڑھ رہا، تو اس طرح نماز ٹوٹ جائے گی۔البتہ نمازی کو مسجد میں داخل ہونے سے قبل ہی موبائل فون اہتمام اور پابندی سے بند کر دینا چاہیے، تا کہ مسجد کا تقدس پامال اور بے حرمتی نہ ہو اور کسی کے خشوع وخضوع میں خلل نہ آئے ،اور گھنٹی میں موسیقی منتخب کرنا بھی ناجائز ہے۔

سوال- موبائل فون اگر کسی گندی نالی یا گٹر وغیرہ میں گر جائے تو اسے کس طرح پاک کیا جائے اس لیے کہ موبائل کو اور اس کی باڈی کو دھونا تو ممکن ہے مگر بیٹری اور اندر کا حصہ جسے پانی سے نہیں دھو سکتے، کیا صرف خشک کرنے سے پاک ہوجائے گا۔

جواب- موبائل اگر ناپاک ہوجائے تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا وہ حصہ جو دھونے سے خراب نہیں ہوتا ہے اسے تین دفعہ دھولیا جائے اور جو حصہ پانی لگنے سے خراب ہوتا ہے اس کو تین دفعہ گیلا کپڑا مار کر صاف کرلیا جائے ، یا اسپرٹ سے صاف کیا جائے کہ اسپرٹ سے موبائل خراب نہیں ہوتا۔